جولائی
2021ء

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿٥﴾ (القرآن:54)

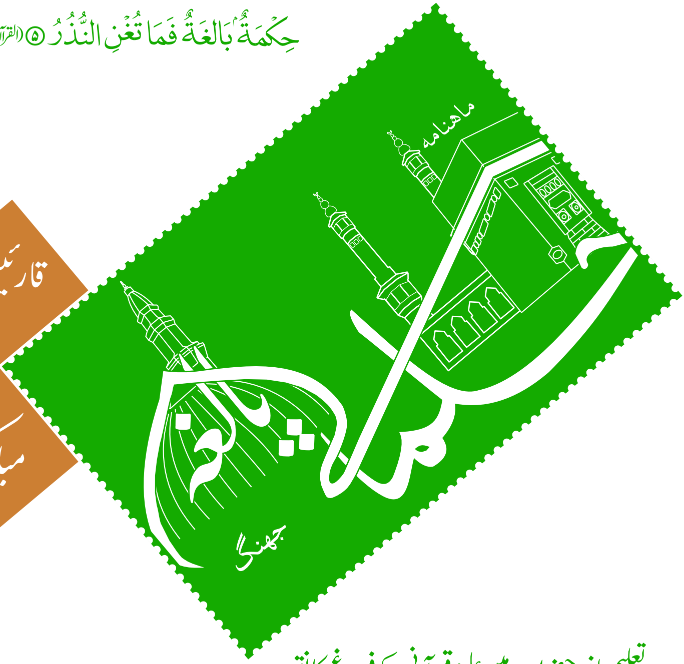

قارئین کو
عیدالاضحیٰ
مبارک ہو

جدید تعلیم یافتہ حضرات میں علوم قرآنی کے فروغ کا نقیب

قرآن اکیڈمی جھنگ

جلد : 15 | وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القران) | ذی الحجہ : 1442ھ

شمارہ : 06 | اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (پ۲۷ سورۃ القمر) | جولائی : 2021ء

ISSN : 2305-6231

ماہنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

- ڈاکٹر طالب حسین سیال
- پروفیسر خلیل الرحمٰن
- حاجی محمد منظور انور
- انجینئر عبداللہ اسماعیل

مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

انتظامی امور: ملک نذر حسین

قانونی مشاورت:
محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ
چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

اہلِ ثروت حضرات سے تاحیات زرِتعاون پچیس ہزار روپے یکمشت	سالانہ زرتعاون بشمول خصوصی اشاعت اندورنِ ملک 1000 روپے	معمول کا شمارہ 60روپے

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

قرآن اکیڈمی جھنگ
لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر
پاکستان پوسٹ کوڈ 35200
047-7630861-0336-6778561

Web site:
www.hamditabligh.net

Email:
hikmatbaalgha1@yahoo.com

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی
طابع: محمد فیاض، مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَ ھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا(ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ میراث ہوتی ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا حقدار ہے

مشمولات

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	1		3
بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات	2		5
حرفِ آرزو	3	انجینئر مختار فاروقی	6
فلسفۂ قربانی	4	حافظ عبدالماجد	14
مَثَلُ کَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ (2)	5	عامرہ احسان	19
لاکھوں میں ایک بنئے	6	غلام قادر ہراج	23
جدید سائنس اور مصورِ کائنات	7	ظہیر خالد قریشی	30
میں نے زندگی سے کیا سیکھا	8	ڈاکٹر محمد امین	38
موجودہ درسی کتابوں کے نقائص	9	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	47
...... یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب	10	محمد منظور انور	56
رسید تحائف	11		63

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 10 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں 10 تاریخ کے بعد رسالہ ارسال نہیں کیا جائے گا

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

آیات	اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ	(02)
153-150	بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ	سورۃ البقرۃ

وَمِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡھَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ

اورآپ جہاں سے نکلیں مسجد محترم کی طرف اپنا رُخ (کرکےنماز پڑھا) کرو

وَحَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡھَکُمۡ شَطۡرَہٗ

اور مسلمانو! تم (بھی) جہاں ہوا کرو اسی (مسجد) کی طرف رُخ کیا کرو

لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَیۡکُمۡ حُجَّۃٌ

(یہ تاکید) اس لیے (کی جارہی ہے) کہ لوگ تم (مسلمانوں) کو کسی طرح کا الزام نہ دے سکیں۔ (کیونکہ اصل تورات میں ہے کہ حقیقی قبلہ مسجد حرام ہی ہے جو علماء یہود جانتے ہیں مگر عوام کو نہیں بتاتے)

اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡھُمۡ

مگران میں سے جو (عوامی سطح پر) ظالم ہیں (وہ الزام دیں تو دیں)

فَلَا تَخۡشَوۡھُمۡ وَاخۡشَوۡنِیۡ

سوان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا

وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ وَلَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾

اور یہ بھی مقصود ہے کہ میں تم کو اپنی تمام نعمتیں بخشوں

اور یہ بھی کہ تم (تا قیامت) راہِ راست پر قائم رہو

کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ

(جس طرح من جملہ اور نعمتوں کے)

ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو

یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا وَ یُزَکِّیۡکُمۡ

تم کو ہماری آیتیں (پیغامات) پڑھ پڑھ کے سناتے اور تمہیں پاک بناتے

وَ یُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ

اور تمہیں کتاب (یعنی قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں

وَ یُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۵۱﴾

اور ایسی باتیں سکھاتے ہیں جو تم پہلے (سابقہ اُمتوں کے ذریعے) نہیں جانتے تھے

فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ

سو تم مجھے یاد رکھا کرو میں تمہیں یاد رکھا کروں گا

وَ اشۡکُرُوۡا لِیۡ وَ لَا تَکۡفُرُوۡنِ ﴿۱۵۲﴾

اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہا کرو

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۵۳﴾

بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم

بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چند لمحات

قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا رَسُولَ اللّٰهِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول!

مَا هٰذِهِ الْأَضَاحِيُّ؟

یہ قربانیاں کیا ہے؟

قَالَ: سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے (معنوی)★ باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت ہے

قَالُوا: فَمَا لَنَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟

عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ان قربانیوں میں ہمارے لیے کیا (ثواب) ہے

قَالَ: بِكُلِّ شَعَرَةٍ، حَسَنَةٌ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی

قَالُوا: فَالصُّوفُ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

عرض کیا: اے اللہ کے رسول! تو پھر اُون (والے جانور) کا کیا......؟

قَالَ: بِكُلِّ شَعَرَةٍ مِنَ الصُّوفِ حَسَنَةٌ

فرمایا: اون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی

(ابن ماجه عن زيد بن ارقم رضی اللہ عنہ)

★ مَنْ أَدْرَكَ لَهُ أَبَوَانِ فِي الْإِسْلَامِ فَهُوَ عَرَبِيٌّ (الجامع الصغير)

''جس شخص کا باپ اور دادا (یعنی دو نسلیں) مسلمان ہوں وہ عربی ہے''۔ (الحدیث)

ے زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است
علامہ اقبال

حرفِ آرزُو

انجینئر مختار فاروقی

1 نیوورلڈآرڈر کے تحت سیاسی صورتِ حال

- اس وقت روئے ارضی پر انسانیت جن حالات سے دوچار ہے اور ہر روز نیا فتنہ اور نئی دین دشمن صورتِ حال (پہلے سے زیادہ گمبھیر) کا سامنا ہے، یہ واقعات اس قدر تیزی سے رونما ہورہے ہیں کہ عوام تو کجا____ درمیانے درجے اوراس سے بلند درجے کے لوگ بھی تمام واقعات سے باخبر ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔
- میڈیا (اخبارات یا ٹی وی چینلز) ہو یا سوشل میڈیا اس پر علم، معلومات، خبریں، تبصرے، REVIEWS اور TWEETS کی بھرمار ہے اور سب کچھ دیکھنے سننے کے لیے ایک 'عمر' چاہیے۔ پھر BLOGS، VLOGS اور سوشل میڈیا، قارئین کے ذاتی FOLLOWERS اور TV CHANNELS کا ایک سیلاب ہے۔ ان حالات میں کسی واقعہ اور خبر کے بارے میں 'صحیح علم' تک پہنچنا مشکل بنا دیا گیا ہے ہر جگہ 'دجل' اور فریب اور DISINFORMATION کے ساتھ MISINFORMATION کا دوردورہ ہے۔
- اس گلوبل اور ہمہ گیر معلوماتی سیلاب کے نتیجے میں آراء بنانے اور نتائج کے اخذ کرنے کا عمل بسا اوقات گُم راہ ہوجاتا ہے۔ صحیح صورتِ حال کا علم یا تو عالمی سطح کے ان مُہروں کو حاصل

ہوسکتا ہے جو خود اس MASTER MIND کے NEW WORLD ORDER ہیں اور حالات کو اپنے ابلیسی وشیطانی واسلام دشمن منصوبوں کی طرف TOE کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں یا ان عالمی صہیونی استعمار کے AGENTS کو ہوسکتا ہے جو ان تبدیلیوں کے لیے موجود 'صاحب' کے PERSONAL ASSISTANT ہیں یا رازدان اور مشیر ہیں اور LOYAL TO THE KING THAN THE KING HIMSELF کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

بقول علامہ اقبال ___ گزشتہ ایک صدی کی خود پیدا کردہ عالمی سیاسی شطرنج کو ایک عالمی NEW WORLD ORDER کے مطابق چلانے کا تصور کچھ یوں سامنے آتا ہے۔ 'سیاست' کے عنوان سے بالِ جبریل کی یہ رباعی کس قدر بلیغ تبصرہ ہے:

ے اس کھیل میں تعیینِ مراتب ہے ضروری
شاطر کی عنایت سے تو فرزیں، میں پیادہ
بیچارہ پیادہ تو ہے اک مہرۂ ناچیز
فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا اِرادہ!

(کلیاتِ اقبال اردو) صفحہ 451

2 مسلمانوں (اہلِ سنّت) کے مہدیؒ کی آمد

ہمارے پیغمبر سیّدنا حضرت محمد ﷺ نے (ختم نبوّت کے بعد) قیامت تک کے حالات کا ایک DIVINE روڈ میپ اُمت کو دیا ہے تاکہ ہر دور کے مسلمان اپنے دور میں اس مجموعی عالمی آسمانی ماحول (ATMOSPHERE) میں اپنا لائحۂ عمل بنا کر زیر بحث لا سکیں اور عام انسانی سوچ کے تحت حقیقت نفس الامری کے قریب ترین فیصلے کر کے صراطِ مستقیم پر قائم رہ سکیں۔ چنانچہ مسلمانوں میں مسلمانوں کی سیاسی برتری کے خاتمہ اور 'ملگا جبریّا' کے دور کا بھی تذکرہ ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ تمام مسلمان غیر ملکی استعمار کے غلام بنا لیے جائیں گے چنانچہ آج (بچوں کے کھیلوں کی طرح) ساٹھ (60) آزاد مسلم ممالک ہونے کے باوصف عالمی استعمار مسلمانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر جب چاہے جس کیمپ میں پہنچا دے، کی

سیاسی صورتِ حال ہے۔

اس سیاسی منظرنامے کی AVERAGE I.Q رکھنے والے کو بالکل سمجھ نہیں آ رہی ہے۔

◐ مسلمانوں کے اس عالمی دورِ غلامی سے نکلنے کے سفر میں پہلی جنگِ عظیم کے بعد سے سیاسی آزادی کا عمل شروع ہوا اور آج مسلم اکثریت کی درج ذیل علاقوں (مقبوضہ کشمیر (بھارت)، روہنگیا (برما)، چیچنیا (مشرقی یورپ) حیدرآباد دکن (بھارت)، جونا گڑھ، رن کچھ اور پنجاب کے بعض علاقوں کی ریڈکلف مشن کی بد دیانتی سے بھارت میں شمولیت جیسے علاقے، کئی افریقی ممالک، مشرقِ وسطیٰ اور فلسطین) کے علاوہ مسلم اکثریتی آبادی کے علاقے آج آزاد ہیں۔ تاہم عالمی سطح پر اقتصادی، تہذیبی، علمی، سائنسی، صنعتی اور ذہنی غلامی ابھی عروج پر ہے۔

◐ اسی طرح اس دورِ غلامی کے خاتمے اور اگلے مرحلے کے آغاز کے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد، حضرت مہدیؒ کی آمد، ایک بڑی جنگ 'الملحمۃ الکبریٰ'، عربوں کا HOLOCAUST ★ وغیرہ جیسی نشانیوں کی اطلاع احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے۔

یاد رہے کہ احادیث میں وارد الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے مسلمانوں (اہلِ سنت اور اہلِ تشیّع) میں تفصیلات کا فرق ہے اہلِ سنت کے مطابق ان کے مہدیؒ ایک باصلاحیت اور باعمل مسلمان ہوں گے جن کو لوگ پہچان کر اس دور میں اپنی رہنمائی کا اہل سمجھتے ہوئے ان کی بیعت کر لیں گے۔ یہ واقعات مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں وقوع پذیر ہوں گے۔ جبکہ اہلِ تشیع کے نزدیک (جن کے دلائل ان کے پاس ہیں) ان کے مہدیؒ ____ ان بارہ اماموں میں آخری ہوں گے جن پر ایمان لانا ان کے عقائد کا اہم حصہ ہے اور وہ اپنے 'اماموں' کے لیے 'علیہ السلام' کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ آخری امام گزشتہ کئی صدیوں سے کہیں چھپے ہوئے ہیں اور قربِ قیامت میں اصفہان (ایران) سے ظاہر ہوں گے۔ ان کے لٹریچر میں اس 'موعود امام' کے

★ حدیثِ نبوی ہے: مِنِ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ هَلَاكُ الْعَرَبِ یعنی قربِ قیامت میں عرب ہلاک ہو جائیں گے۔ (ترمذی)

لیے 'امامِ منتظر' کے الفاظ مستعمل ہیں اور ہر روز اس کے ظاہر ہونے کی دُعائیں بھی کرتے رہتے ہیں۔ شیعہ مسلک کے امام منتظر کے اصفہان سے ظاہر ہونے سے اصفہان کی عالمی سطح پر اہمیت بہت بڑھ جائے گی۔ حکمتِ بالغہ کے صفحات میں اس موضوع پر شائع شدہ مضمون (فروری 10ء) کا آخری پیرا یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے دوبارہ شائع کر رہے ہیں۔

''ہمیں ان سطور کے لکھنے اور اصفہان کو عالمی سیاست کا مرکز قرار پانے سے صرف اتنی دلچسپی ہے کہ یورپی استعمار کا خاتمہ ہوگا اور امریکی بے رحم، ظالم اور انسان نما حیوان (BEASTS) کارپردازوں اور منصوبہ سازوں کا غرور واستکبار خاک میں مل جائے گا اور ایرانی صدر کے ایک اخباری بیان میں دی گئی دھمکی (اور خواہش) پوری ہو جائے گی کہ اسرائیل (صہیونیت) کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ بقول برٹرینڈ رسل مغرب سے طاقت و اقتدار کا ''ہما'' مشرق میں آجائے گا اور اس طرح آنے والے دور میں سیکولرازم کی جگہ خدا پرستی اور لبرل ازم کی جگہ شرم وحیا اور اخلاق کا دور دورہ ہوگا جس سے صرف اس علاقے کے لوگ ہی نہیں کل روئے ارضی پر موجود ساری انسانیت سکھ کا سانس لے سکے گی اور انسانی اخوت، مساوات اور حقیقی آزادی کا خواب حقیقت بن جائے گا۔''

- اہلِ سنّت کے نزدیک ان کے مہدیؒ کسی سال حج کے موقع پر مکہ مکرمہ سے ظاہر ہوں گے (اور اب یہ وقت قریب ہے ان شاء اللہ) اور مقامِ ابراہیم پر مسلمان عوام ان کو پہچان کر ان کی بیعت کریں گے۔ اہل سنت عوام میں اس متوقع مہدیؒ کے آنے کے بارے میں کوئی تحریک یا INITIATIVE پبلک سطح پر موجود نہیں ہے تاہم تمام احیائی تحریکیں اور اسلام کے غلبے کی آرزومند تحریکیں اپنی جدوجہد کے لیے اس مہدی کی آمد کو اپنے لیے روشنی کا مینار یا LIGHT HOUSE ضرور سمجھتے ہیں اور اُمت مسلمہ میں ہر صدی کے اہم حصے میں کسی 'مجدد' کے سامنے آنے کی طرح اُمت مسلمہ کے آخری 'مجدد' بلکہ مجددین کے سرخیل ہوں گے۔ اس مہدیؒ کی حمایت میں پاکستان یعنی وادئ سندھ سے (جس میں افغانستان بھی شامل ہے کہ دریائے کابل بھی سندھ میں آکر ملتا ہے اور وہ دریائے سندھ کی ایک TRIBUTERY ہے) قافلے جائیں گے۔

بقول علامہ اقبال:

خضر وقت از خلوت دشت حجاز آید بروں

کارواں زیں وادئ دور و دراز آید بروں

(کلیاتِ فارسی) صفحہ 465

ترجمہ: (قربِ قیامت میں) مسلمانوں کے خضر وقت دشتِ حجاز کی گمنامی سے سامنے آجائیں گے اوران کی مدد کے لیے قافلے اس دور دراز کی وادی (وادئ سندھ) سے جائیں گے۔

3 مسلمانوں کے مہدیؒ کی آمد اور نیو ورلڈ آرڈر

- انصاف کی بات ہے کہ اہل سنت کی کتب احادیث میں مہدی کے بارے میں جتنا بیان ہوا ہے وہ علماء دین اور خطیب حضرات عوام کے سامنے لے آئیں تو عوام میں حضرت محمد ﷺ کی ناموس کی خاطر قربانی کا جو جذبہ سامنے آتا ہے اس سے کہیں بڑھ کر عوامی جذبہ سامنے آئے گا اور لوگ ہادی کے دست و بازو بننے اور اسلام کے عالمی غلبے کی راہ ہموار کرنے کی خاطر قربانی دینے کے لیے دیوانہ وار حرمین شریفین کا رُخ کریں گے۔
- عقل عام یہ تقاضا کرتی ہے عالم اسلام میں بالعموم اور مسلمانانِ حرم میں بالخصوص اس مہدیؒ کے لیے انتظار کی کیفیت ہو۔ جیسے شاعر مشرق علامہ اقبال نے ہی اپنی مشہور نظم 'شمع اور شاعر' (1912ء) کے 'مقطع' کے اشعار میں تذکرہ فرمایا ہے:

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود

پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی

نالہ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور

خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آ سکتا نہیں

محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے

یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

(کلیاتِ اقبال اردو) صفحہ 195

علامہ اقبال کے یہ اشعار قرآن وحدیث اور کلامِ اقبال کے تذکار کا لب لباب ہے۔

◐ کسی دعویٰ کا ایک جوابِ دعویٰ ہوتا ہے یا ہر THESIS کا ایک ANTITHESIS ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے اس دعویٰ پر کہ ایک مہدیؑ آئے گا اور وہ دنیا کے سیکولر اور مظلوم عوام کو بھی خدا شناسی، خود شناسی، علم دوست اور اخلاق دوست بنا دے گا اور شرم وحیا، عفت وعصمت اور اولادِ آدم کے لیے ایک حقیقی انسانی عظمت کا دور سامنے آئے گا۔ جہاں عدل، انصاف اور انسانی حقوق کے ساتھ سیاسی، معاشی اور سماجی سطح پر اسلام کی تعلیمات کا غلبہ ہو جائے گا۔ سود، شر، رشوت، لوٹ کھسوٹ، برادری ازم، نسلی برتری اور جنسی برتری وغیرہ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (یہ باتیں اہل سنت اور اہل تشیع میں مشترک ہیں) ماحول میں جاری اور PREVAILING عالمی صہیونی ابلیسی ظالمانہ استعمار کی طرف سے ایک زوردار جوابِ دعویٰ سامنے آتا ہے کہ: کیا دنیا میں پاپ کلچر ختم ہو جائے گا؟ کیا فلمی ستارے، ڈانس اکیڈمیاں، ہالی وڈ اور بالی وڈ کا کلچر اور اس سے متعلق مختلف شعبے اور فن سب قصۂ ماضی ہو جائیں گے؟ کیا فلمی ستاروں کی طرح کرکٹ سٹارز (ماسوائے ان کے جو سچی توبہ کر لیں۔ ادارہ) ختم ہو جائیں گے؟ کیا پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا، اینکر پرسنز، موجودہ بے حیا تہذیب، ڈرامے، ڈرامے کے کردار، ایکٹر، ایکٹریس، مادر پدر آزاد خواتین وحضرات کا کلچر دفن ہو جائے گا؟ کیا مخلوط تعلیم، مخلوط دفاتر، مخلوط کھیل اور جنسی آزادی کا تصور عنقا ہو جائے گا؟ ملٹی نیشنلز ختم ہو جائیں گی، بینک ختم ہو جائیں گے، سود، جواء، سٹہ، رشوت، KICK BACKS، حکومتی سطح پر کرپشن، NGO'S غائب ہو جائیں گے؟، کیا بکاؤ، بے اصول اور لبرل اہل قلم دریا برد ہو جائیں گے؟ کیا فرضی ویڈیوز اور VIDEO EDITING کے ذریعے شرفاء (خواتین وحضرات) کی عزت اُچھالنے والے ختم ہو جائیں گے۔ کیا جھوٹے نبی اور ان کے ماننے والے اسرائیل سے دوستی ختم کر کے توبہ کر لیں گے؟ کیا آج کے G7، G20 یا پانچ بڑے ممالک زوال پذیر ہو کر نیست ونابود ہو جائیں گے۔ کیا امریکہ کی (ناجائز) بالادستی ختم ہو جائے گی کیا ابلیسیت ختم ہو جائے گی؟۔

یقیناً____ اگر اُمت مسلمہ کا دعویٰ برحق ہے (اور برحق ہے کہ آسمانی بادشاہت کا فرمانِ شاہی ہے) DIVINE JUST WORLD ORDER کی شروعات ہے اس کا لازماً تقاضا

ہے کہ اسلام کے عالمی غلبے کے لیے اس وقت عالمی مہرے سب کے سب ختم ہو جائیں گے۔ عالمی نظام بشمول بینکنگ و تجارت و ENTERTAINMENT اور LIFE STYLE سب کچھ بدل جائے گا۔ لہٰذا اس دعویٰ پر عالمی صہیونی ابلیسی استعمار کا اظہارِ برہمی بجا اور فطری ردِّعمل ہے جو ایک DESTINY اور شُدنی امر ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ سوائے مفادات کی خاطر حق کو حق نہ کہہ سکنے والے لوگوں کے، سب کو یہ RATIONALE ایک حقیقت کے طور پر سامنے آ رہا ہے اور انسانوں کی عظیم اکثریت جو موجودہ NWO سے کراہ رہی ہے اس کے لیے اس کے سوا ریلیف کا کوئی طریقہ اور ممکنہ صورت بھی نہیں ہے۔

4 مسلمانوں (اہلِ سنّت) کے مہدی کی آمد پر بیعت اور سکیورٹی انتظامات کا HI-ALERT

◐ احادیثِ مبارکہ میں اہلِ سنّت کے مہدی کی آمد کی خبروں پر علماء حق کی ہر دور میں نظر رہی ہے اور آج کے دور میں بھی علماء ربّانییّن ان احادیث کے مفہوم، مدعا اور خارج میں اس کے اثرات سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔ تاہم ذہنی سطح اور عملی سطح پر اہل سنت مسلمان ایک ذہنی خلجان کا شکار ہیں۔

عقل تقاضا کرتی ہے کہ اس متوقع صورت حال میں حرمین شریفین میں کئی عوامی مسلم NGOs ہوں جو حضرت مہدی کے انتظام میں محافل منعقد کریں، استقبالیہ شاعری ہو، عوامی سطح پر ایک جوش و خروش پایا جائے اور عوامی جذبات اور احساسات ایک CLIMAX کی طرف بڑھ رہے ہوں۔ مگر افسوس کہ موجودہ صورت حال اوپر درج صورت حال کے بالکل برعکس ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کے تحت ہمارے حکمران اپنی اسلامی شناخت اور دلی جذبات کے اظہار کے لیے بھی مغربی آقاؤں کی اشیر باد اور آنکھوں کے اشاروں کے تحت ہی چلنے پر مجبور ہیں۔

◐ حرمِ مکی میں عملی صورت حال یہ ہے کہ

(i) کرونا کے نام پر ابلیسی کارپردازوں نے مسلمانوں کے عالمی اجتماع پر پابندی لگا رکھی ہے اور ایک 'وہم' کے پیشِ نظر کعبہ اور اس کے گرداگرد 'پرامن' صورت حال کے لیے ایک حفاظتی

دیوار چن دی گئی ہے تا کہ کوئی 'شر پسند' اندر نہ آ سکے۔

(ii) کرونا ویکسین کے نام پر عوامی مہم کے اثرات کس کس پہلو سے ہیں اور خدشات میں وزن ہے اس عمل کے دوران میں ویکسین کی دوہری مدافعتی احتیاط (DOUBLE DOSE) کا التزام ضروری بلکہ واجب اور فرض ہے۔

(iii) اس HI-ALETR سیکورٹی انتظامات میں بظاہر کسی شخص اور اس کے عقیدت مندوں کا مقامِ ابراہیم تک رسائی کو 'محال' بنا کر اپنے اقتدار کی خاطر آسمانی ہدایت اور حضرت مہدی کی آمد کے واقعات کے آگے 'بند باندھنے' کی کوشش کی گئی ہے۔

- ایک آئیڈیل صورت میں (اب بھی یہ ممکن ہے) مسلمانِ مکہ سرکاری انتظامات کے تحت مہدی کی متوقع آمد، کعبہ کی طرف آنا اور عمرہ کے مناسک میں مصروفیت کو مثالی اور استقبالیہ انداز میں ایک قابل فخر واقعہ (EVENT) کے طور پر ہمارا میڈیا پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے مگر دنیا دیکھ رہی ہے کہ عملاً کسی 'مشتبہ'، 'باصلاحیت لیڈر' کے 'مقامِ ابراہیم' تک پہنچنے کے عمل کو مفلوج کر دیا گیا ہے بلکہ ناممکن بنا دیا گیا ہے۔

- صحن حرم میں جو کرونا، SOPs کے تحت عمرہ کے لیے لوگ آتے ہیں وہ چھ فٹ کے فاصلے پر کھڑے نظر آتے ہیں یہ سب یا تو ROBOTS ہیں یا سرکاری سیکورٹی اہل کار۔ واللہ اعلم

- اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے متوقع لیڈر حضرت مہدی کے لیے دامے، درمے، سخنے، قلبے، دماغے آگے بڑھ کر استقبال کرنے، واشگاف نعرے لگانے اور اپنے دلی جذبات کے مناسب اظہار کی توفیق عطا فرمائے۔

عوامی جذبات اُبھارے جائیں کہ وہ حضرت مہدی کی بیعت کے لیے والہانہ طور پر آگے بڑھ کر بیعت کرنے کو سعادت دارین سمجھیں۔ آمین۔

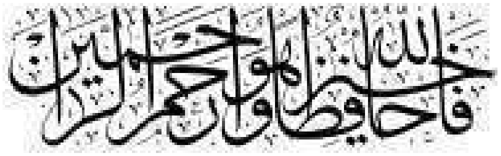

فلسفۂ عیدِ قربان

حافظ عبد الماجد انصاری

(بشکریہ ماہنامہ لولاک، اگست 2019ء، ملتان)

اللہ اللہ دو مہینے دس دن کی مدت بھی کوئی مدت ہے۔ بات کہیے کٹ گئی اور شوال کی پہلی کی یاد ابھی مٹنے نہ پائی تھی کہ ذی الحجہ کی دسویں آ گئی۔ وہ مسلمان کی پہلی سالانہ عید تھی، یہ دوسری اور آخری۔ وہ عید الفطر تھی، یہ عید قربان یا عید الاضحیٰ۔ وہ عید میٹھی تھی، آج کی عید نمکین۔ وہ جشن تھا اس کا کہ طاعت اور ضبطِ نفس کے پورے دن ختم ہوئے اور نزولِ قرآن کی یادگار مہینے بھر منائی جاتی رہی۔ آج خوشی اس کی ہے کہ نصیبے والے عین مرکز اسلام میں کعبۃ اللہ کے گرد طواف اور زیارت کی دولتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ پروانے شمع پر نثار ہو رہے ہیں۔ مکّہ کی گلیوں میں مکانوں میں، دوکانوں میں، مسجد حرام کے صحن میں، دالانوں میں، حاجیوں کا زائروں کا ہجوم، منیٰ کے میدانوں، خیموں میں، مکانوں میں قربانی کی دھوم یا پورے کا پورا عشرہ چاند کی پہلی سے دسویں تک وقف خیر و برکت کے لیے نزولِ رحمت کے لیے۔ جس نیکی کی بھی توفیق پا جائے۔ ہمیشہ بندہ معمول سے بڑھ کر ثواب لائے۔ خود حاجی ہونا الگ رہا حاجیوں کی نقل تک باعث اجر، ان کی طرح بال بڑھوائیے۔ ناخن نہ ترشوائیے۔ اس کا بھی اجر پائیے۔

"لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ" تاریخ کی زبان سے روایت یہ سننے میں آئی ہے کہ آج سے کچھ اوپر چار ہزار سال قبل کلدانیہ کے ملک میں بت پرستوں کی قوم بت تراشوں کے گھرانے میں ایک مقبول اور بہت مقبول برگزیدہ اور نہایت برگزیدہ انسان

ابراہیم نامی آباد تھے۔ یہ کلدانیہ وہی ہے جسے انگریز کالڈیا کہتے ہیں یا آج جغرافیائی اصطلاح میں عراق۔ اس بندہ کے امتحانات طرح طرح کے مالک کی طرف سے ہوئے اور ابراہیم ہر آزمائش میں پورے اُترے۔ آخر اللہ کے پیغمبر ہی تھے۔ کچھ روز بعد حکم ہجرت کا ملا۔ سرزمین شام پہنچے اور پھر مصر سے ہوتے ہوئے حجاز کی خشک اور پتھریلی وادی میں آئے۔ علاقہ ویران، پانی کا نام نہ نشان، سبزہ کی جگہ ہر طرف ریگستان، نیچے تپتی ہوئی زمین اوپر دہکتا ہوا آسمان۔ حکم ملا کہ یہیں ایک گھر بناؤ۔ اسی مٹی اور پتھر کا، لیکن اپنے لیے نہیں، ہماری عبادت کے لیے اور ہاں ذرا یہ کرنا کہ اسے منسوب ہماری جانب کر دینا۔ ہم گھر اور در کی قید سے ماوراء۔ مکان اور چھت کی نسبت سے بھی برتر و اعلیٰ ذرا اسی گھر کے ساتھ ہمارا نام ڈال تو دو اور ہماری ہی بسائی ہوئی دنیا کو آواز دے دو کہ اس گھر کی طرف آجایا کرو۔ ”وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ“ فرمانبردار بندہ نے پکار کر دی اور اس وقت پکار کی جب نہ تار تھا نہ ٹیلی فون، نہ وائرلیس، نہ لاؤڈ اسپیکر، نہ لوگ نشریات براڈ کاسٹنگ کے قانون سے واقف تھے۔ نہ گھر گھر ریڈیو لگے ہوئے تھے۔ ابراہیم کی پکار خدا معلوم کس لاہوتی میٹر پر اور کس ملکوتی WAVE LENGTH سے نشر ہوئی کہ آج تک اس کی تھرتھراہٹ کائنات میں آپ سن رہے ہیں۔

حج کی تاریخ میں ابھی ہفتوں کا نہیں مہینوں کا زمانہ باقی ہے کہ دربار کی حاضری کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور لوگ اپنے اپنے گھروں سے چل کھڑے ہوئے۔ اپنے مالک و مولیٰ کے متوالے دنیا کے گوشے گوشے سے۔ روئے زمین کے چپے چپے سے، کوئی کابل سے، کوئی قندھار سے، کوئی دکن سے، کوئی مالابار سے، کوئی چین سے کوئی جاپان سے، کوئی مصر سے، کوئی ایران سے، کوئی عراق سے، کوئی بخارا سے، کوئی پاکستان سے، کوئی ہندوستان سے، کوئی سیلون سے، کوئی جاوا سے، کوئی افریقہ کے ویرانے سے، کوئی یورپ کے نشاط خانے سے۔ غرض خلقت ہے کہ چہار طرف سے اُمڈی چلی آرہی ہے۔ ”یَاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ“ کوئی ریل سے، کوئی جہاز سے، کوئی موٹر پر، کوئی لاری پر، کوئی پیدل، کوئی سواری پر، کوئی غریب اپنی ہی کمر کسے ہوئے اور کوئی صاحب اونٹ کی پیٹھ پر لدے ہوئے۔ کعبہ اسلام کا جغرافیائی مرکز ہے۔ مرکز کا تعلق محیط کے گوشہ گوشہ سے، دائرہ کے نقطہ نقطہ سے، دانا و بینا سے جوڑنے والے نے یوں جوڑا کہ ہر صاحب

حیثیت پر عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ حج فرض کر دیا۔ حج اسلام کا رکن اعظم ہے۔

9/ ذوالحجہ کو میدانِ عرفات میں حاضری، سو وہ کل ہوگئی۔ اب آج کا دن ہے اس سعادت کی خوشی منانے کا دن، کلمہ گو جہاں کہیں بھی آباد ہیں، آج جشن منائیں گے لیکن اس مسرت کی وجہ سے غفلت میں دن چڑھے تک خراٹے لینے کی بجائے آج معمول سے اور سویرے اُٹھیں گے۔ غسل کریں گے۔ بشاش چہروں کے ساتھ عیدگاہ روانہ ہوں گے اور واپس آئیں گے تو ان میں جو صاحب حیثیت ہیں وہ اچھے اور پاک اور صحیح تندرست جانوروں کی قربانی کا تحفہ اپنے پروردگار کے حضور میں پیش کریں گے۔ خود اپنی طرف سے، اپنے عزیزوں کی طرف سے اور جب کھانے کا وقت آئے گا تو تنہا نہیں کھائیں گے بلکہ پہلے ایک تہائی محتاجوں، مسکینوں، مفلسوں کی نذر کریں گے۔ ایک تہائی دوست احباب کی خدمت میں پیش کریں گے۔ جب کہیں ایک تہائی اپنے لیے رکھیں گے۔ عید الفطر کے دن تاکید تھی کہ کوئی شخص فاقہ سے نہ رہ جائے۔ عید قربان کے دن ترغیب ہے کہ غریب سے غریب بھائی کی زبان کو بھی کھانے پینے کی لذت کا کچھ تو مزہ آئے۔ عید الفطر سالگرہ تھی نزولِ قرآن کی۔ عید قربان سالگرہ ہے، بنیاد کعبہ کی۔ ابراہیم علیہ السلام موحّد تھے، موحّدوں کے سردار، توحید ہی کے جرم میں آگ میں جھونکے گئے، ملک سے نکالے گئے تھے۔ حق تھا کہ ان کی قائم کی ہوئی یادگار کے سلسلے میں توحید ہی کا رنگ ہر رنگ پر غالب ہو اور سب سے نمایاں۔ آج آفتاب بلند ہوا کہ لوگ لگے عیدگاہ کی طرف چلنے، ہر طرف سے رب کی بڑائی کے نعرے بلند ہونے لگے۔ سینوں کے اندر توحید کے ولولے، زبانوں پر توحید کے زمزمے، کیا خوب ظاہر ہے کیا خوب باطن، کیا خوب قال اور کیا خوب حال۔

عید فطر کے دن یاد ہوگا کہ تکبیر صرف نماز عید کے ساتھ تھی اور آمد و رفت کے راستے میں، بقرعید کے موقع پر ایک نماز، ایک وقت بلکہ ایک دن بھی اس جوش کے اظہار کیلئے کافی نہیں۔ اب کی تکبیر شروع ہوگی نو تاریخ کی فجر ہی سے اور جاری رہے گی ہر نماز کے ساتھ ابھی تین دن اور یعنی 13 کی عصر تک۔ مرکز (کعبہ) میں آج مسلمان چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے پکارے گا: ”لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ“ حاضر ہے اے میرے رب مالک و مولیٰ یہ غلام حاضر ہے۔ یہ شہادت دیتا ہوا حاضر ہے کہ حضور والا! ہر قسم کی شرکت سے ماورا اور برتر ہے۔

حاضر ہے۔ یہ آداب حاضری دینے والوں کے ہوئے، مرکز سے دور باہر والے 9 سے 13 کی سہ پہر تک ساڑھے چار دن تک ہر نماز کے بعد پکاریں گے۔ ”اَللّٰہُ اَکبَر اَللّٰہُ اَکبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکبَر اَللّٰہُ اَکبَر وَلِلّٰہِ الحَمدُ“ بڑائی تو آپ میں ہے۔صرف آپ میں ہے۔ ہمارے ہر شکر کی مخاطب آپ ہی کی ذات، ہماری ہر مدح وثناء کے سزاوار آپ ہی کے کمالات۔

مسلمان قربانی کے لیے تیاری دنوں سے نہیں ہفتوں، مہینوں سے پیشتر کرے گا۔ پاک صاف جانور، اچھا تندرست، بے عیب، دیکھ کر خریدے گا، پالے گا، کھلائے گا، پلائے گا۔ اپنے سے خوب ہلائے گا اور جب اس سے تعلق اُنس ونسبت کا، رحمت وشفقت کا قائم ہوجائے گا تو اپنے اور اس کے دونوں کے مالک کے حکم سے اس کے حلق پر اپنے ہاتھ سے چھری چلائے گا۔ پالے ہوئے جانور کو پیار کی نگاہوں سے دیکھے گا۔ آخر وقت تک کھلائے پلائے گا۔ لیکن جب حکم کی تعمیل میں زمین پر لٹائے گا تو قبلہ رُخ منہ اس طرف کر کے جس طرف وہ خود دن رات میں خدا معلوم کتنی بار جھکتا ہے، گرتا ہے اور زبان سے کہتا جائے گا: ”اِنِّی وَجَّھتُ وَجھِیَ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ حَنِیفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ المُشرِکِینَ“۔ یہ کسی دیوی، دیوتا کی بھینٹ نہیں چڑھا رہا ہوں۔ میرا رشتہ تو صرف اسی سے جڑا ہوا ہے۔ میں تو پجاری صرف اسی کا ہوں جس نے پیدا کر رکھا ہے آسمان وزمین کو۔ میرا دستور، دستورِ زندگی تو تمام تر اس کے قانون کی پیروی ہے۔ ”اِنَّ صَلَاتِی وَنُسُکِی وَمَحیَایَ وَ مَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ“ میری دعائیں اور عبادتیں، میری زندگی اور میری موت نہ اپنے نفس کے لیے ہے اور نہ اس ملک کے کسی چھوٹے موٹے دیوی دیوتا کے لیے ہے بلکہ یہ سب صرف اسی واحد یکتا معبودِ اعظم کے لیے ہے۔ اسی کے حکم اور قانون کے تابع ہے جو پروردگار ہے ہر ملک کا، ساری مخلوقات کا، جمیع موجودات کا اور کل کائنات کا۔

ڈاکٹر جب مریض کو آپریشن کی میز پر لٹاتا ہے تو پہلے آپریشن والے عضو کو دوا لگا کر سن کر دیتا ہے یا مریض کو کلوروفارم سنگھا کر بے ہوش۔ مسلمان بھی جب جانور کو ذبح کرنے کے لیے قبلہ رُخ لٹا کر گلے پر چھری چلاتا ہے تو روح کو ایک مختصر دو لفظی نغمہ سناتا ہے۔ میں تجھے مردہ اپنی طرف سے نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں تو خود تیری ہی طرح مخلوق ہوں۔ تیری طرح بے بس، تیری طرح خاکی، تیری ہی طرح فانی۔ میں چھری چلا رہا ہوں اپنے اور تیرے پیدا کرنے والے کا نام لے کر،

اپنے اور تیرے مالک کے قانون کے تحت۔ زندگی کا عطیہ بخشنے والا بھی وہی، اسے واپس لینے والا بھی وہی۔ جان ڈالی بھی اسی نے آج نکالی بھی اسی نے۔ بڑائی کا حق دار حکم چلانے والا صرف وہی۔ سنتے ہیں فوج کے سپاہی جنگ کے میدان میں فوجی بینڈ اور وطنی ترانے کی آواز سن کر ایسے ہر مست ہو جاتے ہیں کہ جان کی پرواہ نہیں ہوتی اور بندوقوں کی گولیوں، توپ کے گولوں، سنگینوں کے وار کے لیے بلا تکلف اپنے سر و سینے کو پیش کر دیتے ہیں۔ اللہ کے نام کی کشش کیا روح کے لیے اتنی بھی نہیں؟ جاننے والے تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ روح اس اسم پاک سے ایسی مست و بے خود ہو جاتی ہے کہ خود حالت طرب میں ہنسی خوشی باہر آ جاتی ہے۔ جسم دیکھنے والوں کی نظروں میں تڑپتا لوٹتا رہ جاتا ہے۔ آخر کلوروفارم میں بھی تو یہی ہوتا ہے کہ رگوں پر رگیں کٹتی رہتی ہیں، خون بہتا رہتا ہے لیکن مریض کا احساس و کرب مردہ ہو جاتا ہے۔ اللہ ٹھنڈی رکھے حضرت اکبر مرحوم کی تربت کو، کہ کیا خوب فرما گئے ہیں: ؎

احساس ہی اپنا نہ ہوا فریاد و فغاں میں کیا کرتا
آنکھ اپنی لڑی تھی قاتل سے جس وقت تہہ خنجر تھا گلا

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کعبہ تعمیر کرنے والے، آگ میں کود پڑنے والے، حج کی پکار کرنے والے ابراہیم علیہ السلام نے بھی قربانی پیش کی تھی۔ یہ قربانی بکرے کی نہ تھی، مینڈھے کی نہ تھی، یہ قربانی لاڈلے نورِ نظر اسماعیل علیہ السلام کی تھی۔ خواب میں حکم ہوا محبوب ترین ہستی کا۔ صبح اٹھ کر مشورہ اسماعیل سے کیا، اس سے کہا جو آنکھوں کا تارا، بڑھاپے کا سہارا تھا۔ کیا دنیا کی تاریخ میں کوئی مثال ایسی ملتی ہے کہ کسی عزیز نے عزیز سے اس کے قتل یا ذبح کا مشورہ کیا ہو، باپ نے اپنے لختِ جگر کے سامنے تجویز پیش کی ہو؟ ہر صاحبِ اولاد ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے۔ بیٹا بھی کس باپ کا تھا۔ فوراً آمادہ ہو گیا اور عرض کیا: ابا جان! آنکھوں پر پٹی باندھ لیجیے گا، ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر میرا چہرہ دیکھ کر آپ کی ہمت جواب دے جائے۔ باپ نے آنکھ پر پٹی باندھ کر، خدا معلوم کون سے پتھر کی سل رکھ کر حلق پر چھری چلائی۔ معاً قدرتِ حق سے نورِ نظر کی جگہ ایک جنت کے مینڈھے نے لے لی اور اسماعیل علیہ السلام ''وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ'' کا پروانہ بشارت پا کر زندہ و جاوید ہو گئے۔ آج کی قربانیاں یادگار ہیں اسی ذبحِ عظیم کی۔ کون ہے جو اس کی وسعت و عظمت کو پائے؟

مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

کلمہ طیبہ کی مثال شجرۂ طیبہ کی ہے (سورۂ ابراہیم: 24)

(حصہ دوم)

(حکمت بالغہ، اپریل 2021ء سے وابستہ)

عامرہ احسان

آج کا المیہ یہ ہے کہ فنونِ کثیفہ کو فنونِ لطیفہ، آرٹ، کلچر کہا جانے لگا۔ جنون کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنون! ۔ رقص و سرود، فلمی دنیا کی اخلاقی کچرا کنڈی، حسن فروشی کا نام 'ستارے'، (CELEBRITIES) نامور شخصیات' قرار پایا۔ بدترین نمونہ ہائے اخلاق و کردار، لباس و اَطوار کو ماڈل گرل (نمونہ کی لڑکی) متعارف کروایا گیا۔ ہماری پاکیزہ کہانیوں میں یکا یک شجر ہائے خبیثہ کے جنگل اُگ آئے اور یہی سامانِ فخر قرار پایا! دو دہائیوں میں ہم اپنی شناخت کھو کر تنزل کے گڑھوں میں گرتے چلے گئے۔

اشجار کی کہانی ہی کے تسلسل میں اپنی شناخت کے تحفظ کی خاطر شجرۂ نسب بھی ہے جس کا خاندانوں میں اہتمام کیا جاتا رہا۔ نسب کا تحفظ اور پاکیزگی مسلم معاشرے کے امتیازی اوصاف میں سے ہے۔ سبھی نسلوں کا شجرۂ نسب جا کر باپ آدم علیہ السلام پر منتج ہوتا ہے۔ مغرب کلیتاً اس سے محروم ہے کیونکہ بچہ اب باپ کے نام سے بھی محروم کیا جا چکا اخلاقی بربادی کے ہاتھوں۔ البتہ اپنے کتوں کا نسب وہ اس امر سے ضرور طے کرتے ہیں کہ اس کا مالک کونسا اداکار/اداکارہ/وزیر/صدر وغیرہ تھا۔ کن ہاتھوں سے ہوتا آیا!

کلمۂ طیبہ کے مقابل (شیطانی، باطل) کلمۂ خبیثہ کے لیے سورۃ ابراہیم، آیت 26

میں اللہ فرماتا ہے:

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ

''اور کلمۂ خبیثہ کی مثال ایک بدذات درخت کی سی ہے جو سطح زمین سے اُکھاڑ پھینکا جاتا ہے، اس کے لیے کوئی استحکام نہیں ہے''۔

برسرِ زمین شجرِ خبیثہ، جھاڑ جھنکار بے مصرف۔ (عجیب بات ہے کہ مسلم دنیا پر یلغار کرنے والے صدور باپ بیٹا اسم بامسمّٰی ہیں، بش سینئر اور بش جونیئر____ بش، BUSH بمعنی جھاڑی)۔

آخرت میں انجام شجرِ خبیثہ تلے زندگی گزارنے والوں کا بتایا:

''زقوم کا درخت گناہ گار کا کھاجا ہوگا، تیل کی تلچھٹ جیسا، پیٹ میں وہ اس طرح جوش کھائے گا جیسے کھولتا ہوا پانی جوش کھاتا ہے''۔ (الدخان: 46-43)

اسے سورۃ بنی اسرائیل میں الشجرۃ الملعونۃ ...... ''وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے'' فرمایا گیا ہے۔ (آیت 60)

کلمۂ طیبہ ایک ہے جس پر پورا نظامِ کائنات مبنی ہے، کلمۂ حق! اس کے برعکس کلماتِ خبیثہ بے شمار ہیں، بھنبھناتی مکھیوں کی مانند۔ ہر باطل عقیدہ جس کے نصیب میں استحکام نہیں۔ شرک و بت پرستی یا دہریت، اِلحاد، زندقہ ہو۔ یہ رنگ، نام اور چولے بدل بدل کر آتے رہتے ہیں۔ کمیونزم، سوشلزم، سرمایہ داریت، سیکولرازم، لبرل ازم، ہیومنزم سبھی کلماتِ خبیثہ ہیں۔

کلمۂ طیبہ کے اشجار ہائے طیبہ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت) کی صورت دنیا میں بہار، تازگی، خوشبو، راحت، اعلیٰ کردار لاتے ہیں۔ گردو پیش کی فضا پاکیزہ اُجلی ہو جاتی ہے۔

کلماتِ خبیثہ کی اُٹھان دنیا میں صورتِ شجر ہائے خبیثہ، نمرود، فرعون، ابوجہل، ہٹلر، ہلاکو، چنگیز، بش، ٹرمپ، اشیرون ہوا کرتے ہیں۔ ظلم و جور، دکھ، اذیت، ایٹم بم، بارودی تخریب کاریاں، منشیات کا روگ، نفسیاتی بیماریاں، ڈپریشن، اضطراب، بےقراری، خودکشی، اخلاقی سڑاند سے متعفّن معاشرے ان کے کڑوے کسیلے، زہریلے اور ایمان لیوا پھل ہوا کرتے ہیں۔

آج کی دنیا کا المیہ یہ ہے کہ حق و باطل، طیب وخبیث دو متصادم، متخاصم نظام ہائے زندگی میں پیوندکاری کی مسلسل کوشش جاری ہے۔شجرِ طیبہ کوشجرِ خبیثہ کا پیوند لگا کر HYBRID (دوغلا، مخلوط) بنانے کی کوشش۔’غامدی اسلام‘ کے ذریعے ہیئت بدلنے کی سازش۔مسلمانوں کے قلب پر وار کرکے PSL کی رنگینی، ارطغرل ڈراموں سے جہاد کے پاکیزہ رکنِ اعظم کو بدکردار اداکاروں کے ہاتھوں کھوکھلا، مصنوعی، میلا کرنے کا سامان۔حق کو خالص رہنا ہے۔ یہ سب جاہلیت کا کل پرزہ بن کر کفر کی خدمت گزاری ہے، اسلام کی نہیں۔حق کو جاہلی طرزِ زندگی سے یکسر جدا، ممتاز رہنا ہے۔اللہ کی نصرت و مدد کا وعدہ خالص حق سے ہے۔جاہلیت سے مخلوط ہوکر، کشمیر پر فلمیں گانے ڈرامے لاکر، ناچ گا بجا کر فتح کشمیر کی دعائیں رنگ نہیں لاسکتیں۔ کلمے کی حکمرانی زندگی کے ہر دائرے میں ہونا درکار ہے۔آبِ زم زم کے بھرے تین چوتھائی گلاس میں ایک چوتھائی حصہ شراب بھی اسے ناپاک کردے گی۔

بندۂ مومن سینے میں کلمہ طیبہ کے شجرِ طیبہ کا بیج لیے پیدا ہوتا ہے۔اللہ نے صورتِ اسلام وہ مکمل نظام عطا کیا ہے جو روزِ اوّل سے اس بیج کی آبیاری پر مامور ہے، بچے کے کانوں میں اذان اور اقامت سے۔اب یہ والدین کی توجہ پر منحصر ہے کہ بیج پھوٹنے، کونپلیں نکلنے، اس کی حفاظت کے لیے کیا اہتمام وہ کرتے ہیں۔ننھی عمروں میں کالی سکرینوں سے بجلیاں گرا کر بیج بھسم تو نہیں کردیا جاتا؟ اندر جاتی منکرات سے سر اٹھانے والا ننھا سا ایمانی پودا مسل تو نہیں دیا جاتا؟ اس کے گرداُگتی جھاڑ جھنکار، شجرِ خبیثہ سے اُڑتے گرتے کانٹے اسے زخمی تو نہیں کردیتے؟ تعلیمی آلودگی سے پھوٹنے والے پودوں کی جڑوں میں اُتر کر اس کے پھلنے پھولنے کی راہیں مسدود تو نہیں کردیتی اور دنیائے کفر کے نصاب، آکسفورڈ کیمرج کے (فخریہ) اولیول، اے لیول کے نصاب، لاالٰہ والے پودے کی پاکیزگی، قوتِ نمو کم تو نہیں کردیتے؟ حقیقت تو تلخ ہی ہے____

اے لا الٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتارِ دلبرانہ کردارِ قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

شجرِ طیبہ کا فارمولہ ہی جدا ہے۔ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرۡعُهَا فِي السَّمَآءِ کی شان۔ 'جڑ ـــــ زمین میں گہری اُتری ہوئی اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے پھل دے رہا ہے'۔ (ابراہیم :25-24)

نیکیوں سے مہکتے پھول پھل سچائی، امانت و دیانت، حیا، پاکیزگی، نیک سیرتی، عہد کی پاسداری، حسنِ سلوک، متوازن زندگی، عدل و انصاف، فکری سلجھاؤ، حسنِ معاشرت، حسنِ معیشت و سیاست۔ (سود، چور بازاری سے پاک، ربّ تعالیٰ کی حاکمیت پر مبنی) غرض ہر دائرۂ زندگی میں بہار کی ضمانت! وہی سب جو مدینہ کی زندگی میں کلمے کی حکمرانی سے آن اتری تھی۔ جو دورِ فاروقی میں پورے جوبن پر تھی۔ ریاست میں وسعت (تین براعظموں پر حکمرانی) کے ساتھ اسلامی اقدار کا عافیت، امن سے عبارت نظامِ زندگی۔ کلمے کا یہ شجر شہداء کے خون سے سینچا گیا۔ مدینہ سے نکل کر اس کی رحمت بھری چھاؤں 22 لاکھ مربع میل پر محیط تھی۔ کلمہ طیبہ کی حکمرانی کا اعلان۔ لا حاکم الا اللہ! وہی بے عیب ذات جو العلیم، الخبیر، الحکیم، العزیز ہے جو کل کائنات پر حکمران ہے، اس ننھے سے گلوب پر بھی حکمرانی صرف اسی کا حق ہے جو خالق ہے ہر ذی روح کا۔ اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَ الۡاَمۡرُ خبردار مخلوق اللہ کی ہے، اس پر حکم بھی صرف خالق ہی کا چلے گا۔ یہی کلمے کا اعلان ہے۔ ع حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!

عَنۡ عَبۡدِ الرَّحۡمٰنِ بۡنِ عَوۡفٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا صَلَّتِ الۡمَرۡأَةُ خَمۡسَهَا، وَصَامَتۡ شَهۡرَهَا، وَحَفِظَتۡ فَرۡجَهَا، وَأَطَاعَتۡ زَوۡجَهَا قِيۡلَ لَهَا: اُدۡخُلِي الۡجَنَّةَ مِنۡ اَيِّ اَبۡوَابِ الۡجَنَّةِ شِئۡتِ (مسند احمد)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس عورت نے پانچ وقت کی نمازیں ادا کی اور ماہِ رمضان کے روزے رکھے اور اپنے دامن کی حفاظت کی اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کی (قیامت کے دن) اسے کہا جائے گا: (اے خوش نصیب عورت!) تو جنت میں داخل ہو جا، جنت کے جس دروازے سے تو چاہے''۔

لاکھوں میں ایک بنئے

غلام قادر ہراج
پرنسپل (ر) جھنگ

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر خیر بھی رکھی ہے اور شر بھی۔ انسان خیر کو غالب کرے گا تو فلاح پائے گا، کامیاب ہوگا۔ شر کو غالب کرے گا تو برباد ہوگا۔ نیکوں کی صحبت اختیار کرے گا تو نیکی غالب آئے گی، غافلوں کی صحبت پائے گا تو دلوں پر ظلمت چھا جائے گی۔ نیک سے نیک انسان غافلوں کی صحبت میں جائے گا تو برباد ہوگا، غافل سے غافل انسان نیکوں کے ساتھ رہے گا تو اس کا دل روشن ہوتا چلا جائے گا۔

اعضائے انسانی میں سے ایک چھوٹا سا عضو 'زبان' ہے جو دیکھنے میں چھوٹا ہے مگر عدمِ احتیاط کی بنا پر اس کی آفات بہت زیادہ ہیں۔ زبان کی حفاظت دولت کی حفاظت سے مشکل ہے۔ اگر ہم اسے صحیح استعمال کریں گے تو یقیناً آج کے دور میں لاکھوں میں ایک بنیں گے۔ زبان کی کئی آفات ہیں: مثلاً جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، چغلی کھانا، بہتان تراشی، جھوٹی قسم کھانا، لعنت بھیجنا، گالی دینا، مسلمان بھائی کی آبروریزی کرنا، غلط مشورے دینا، کافروں اور فاسقوں کی تعریفیں کرنا، جھوٹی گواہی دینا، مذاق اڑانا وغیرہ۔ زبان کا صحیح استعمال کرنے سے بڑی بڑی نیکیاں سرزد ہو سکتی ہیں مثلاً امر بالمعروف و نہی عن المنکر، مظلوم کی فریاد رسی کے لیے کوئی کلمہ کہنا، تبلیغ کرنا، ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق بولنا، سچی گواہی دینا، لوگوں کو صحیح مشوروں سے نوازنا وغیرہ۔

زبان سے نکلا ہوا ایک ایک کلمہ کتنا قیمتی ہو سکتا ہے اور کتنا ضرر رساں۔ بلاشبہ بندہ کبھی

اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے جس کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں ہوتا اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے بلند درجات سے نوازتے ہیں اور بلاشبہ بندہ کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے جس کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں ہوتا اور وہ دوزخ میں گراچلا جاتا ہے اور یہ گہرائی زمین اور آسمان کے فاصلے سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ زبان لغزش کھائے تو دنیا و آخرت کی تباہی ہوتی ہے۔ لغو باتوں سے پرہیز کرنا مومن کی شان ہے۔ لغویات کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص اچھی خاصی دولت کے عوض زہر خریدے اور اس سے تھوڑا تھوڑا پیا کرے۔ لغو اور بیکار باتوں سے چہرے کی نورانیت ختم ہو جاتی ہے۔

سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 11-12 کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''اے ایمان والو! نہ مذاق کرے کوئی قوم کسی قوم سے، شاید کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ہی کوئی عورت ٹھٹھا کرے کسی عورت سے، شاید کہ وہ بہتر ہو ان سے، اور نہ عیب لگاؤ آپس میں، اور نہ بدنام کرو برے اَلقاب کے ساتھ، برا نام ہے بدکاری پیچھے ایمان کے۔ جس نے توبہ نہ کی وہ لوگ ظالم ہیں۔

اے ایمان والو! بچو بُرے گمانوں سے تحقیق بعض گمان گناہ ہیں اور مت جاسوسی کرو، اور نہ غیبت کریں تمہارے بعضوں میں سے بعض، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، تم ناپسند کرو گے اس کو، اور ڈرو اللہ سے تحقیق اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

ان دو آیات مبارکہ کا خلاصہ درج ذیل نقشہ سے واضح ہے:

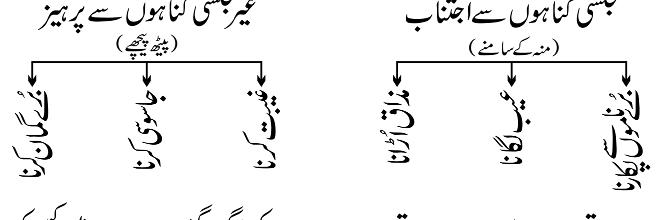

مذاق سے یہاں مراد وہ مذاق ہے جو دوسرے کو ناگوار گزرے۔ اس میں کسی کو بیوقوف

بنانا بھی شامل ہے، بعض لوگ مذاق میں طلاق دے بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی حالانکہ طلاق مذاق میں بھی ہو جاتی ہے۔ لوگ غضب کرتے ہیں کہ مذاق میں تین طلاقیں دے کر بھی عورت کو رکھے رکھتے ہیں۔ مسئلہ بھی نہیں پوچھتے اور حرام کاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات دوسروں کو بتلاتا پھرے۔ جب کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچاؤ مبادا کہ اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔ بے تحقیق نقل در نقل کسی جھوٹ کو آگے بیان نہ کیا جائے۔ جب کسی کے بارے تہمت کی بات سنو اور اس پر شرعی گواہ نہ ہوں تو بجائے اسے آگے بڑھانے کے خاموشی اختیار کی جائے۔ لوگوں کو منہ کے بل دوزخ میں گرانے والی چیزیں دراصل ان کی زبانوں کی بوئی ہوئی کھیتیاں ہوں گی۔ اپنی بات کو مال کی طرح محفوظ رکھو اور جب خرچ کرنا چاہو تو خوب دیکھ بھال کر کے سوچ سمجھ کر خرچ کرو۔

جھوٹ سے بچو جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے، سچائی کو لازم پکڑو۔ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت میں پہنچاتی ہے جھوٹ بدی کی طرف لے جاتا ہے اور بدی دوزخ میں پہنچاتی ہے۔ اسلام نے بچوں کو بہلانے کے لیے جھوٹ بولنے سے روک دیا ہے۔ یاد رکھیں کہ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا اور امانت میں خیانت کرنا منافقین کی علامتوں میں سے ہے۔ جھوٹی قسم آبادیوں کو ویران کر دیتی ہے مالِ تجارت کی برکت ختم کر دیتی ہے۔ بعض لوگ غیر اللہ کی قسم کھاتے ہیں، یہ حرام اور شرک ہے۔

جن لوگوں کو زبان پر قابو نہیں، مرد ہوں یا عورتیں، وہ بیچاروں پر تہمت کے گولے پھینکتے رہتے ہیں۔ جس عورت / مرد کا چال چلن مشکوک ہو اس پر تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے لیکن پاک باز، عفت شعار عورتوں پر تہمت لگانا بہت ہی سخت ہے۔ جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت بھیجے جو لعنت کے مستحق نہیں تو لعنت کرنے والے پر وہ لعنت لوٹا دی جاتی ہے۔ لعنت کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری۔ لعنت صرف اس پر کی جا سکتی ہے جس کا کفر پر مرنا یقینی ہو۔ آج ہم معمولی سی بات پر ایک دو نہیں بلکہ لاکھ لعنت کا اکٹھا گولہ دوسرے پر پھینکتے ہیں۔

زبان کے گناہوں میں سے ایک گناہ گالی دینا بھی ہے یا برے القاب سے پکارنا۔

مسلماں کو گالی دینا بڑی گنہگاری کی بات ہے اس سے جنگ کرنا، کفر کی بات ہے۔ مردوں کو گالی نہ دی جائے جس کی وجہ سے تم ان کے زندوں کو ایذا دو گے۔ اسلام نے تو جانوروں کو بھی گالی دینے سے منع کیا ہے۔ اگر کسی کو بے ہودہ، گدھا، کتا، کمینہ کہہ دیا تو بھی گالی کے زمرے میں آتا ہے۔

آج ذرا سی بات پر دوسرے کو کافر کہہ دیا جاتا ہے۔ مسلک کا اختلاف ہو یا سیاسی مخالفت، مخالف کو فوراً کفر کی بندوق سے داغ دیا جاتا ہے۔ بدلگاموں نے بڑے بڑے محدّثین اور خُدّامِ دین کو نہیں بخشا۔

بے شک بُرے سود میں یہ بھی ہے کہ ناحق کسی مسلمان کی آبروریزی کی جائے۔ جو شخص دوسروں کے عیبوں کے پیچھے پڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کا پیچھا کرے گا اور اس کو رسوا کرے گا اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حرام ہے اس کا خون بھی، مال بھی، عزت (بے آبرو کرنا)۔ اسلام میں عزت کا معیار تقویٰ ہے۔ کسی گورے کو کالے پر کالے کو گورے پر عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کی بنا پر۔ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کا حق کسی کے پاس رہ جائے تو وارثوں کو حق دے کر جان چھوٹ سکتی ہے مگر مردہ کی غیبت کو وارث بھی معاف نہیں کر سکتے۔ هُمَزَة (عیب لگانے والا) اور لُمَزَة (طعن کرنے والا) کے لیے بربادی ہے۔ جو شخص کسی کی بات سن کر، اس میں ملاوٹ کر کے، لگائی بجھائی کرے، ادھر کی بات ادھر کرے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ مجلسیں امانت کے ساتھ ہوتی ہیں جو امانت میں خیانت کرے اور لوگوں کے درمیان غلط فہمی اور لڑائی کا ذریعہ بنے، وہ چغل خوری میں شامل ہے۔ جس کسی نے اپنے مسلمان بھائی پر کسی گناہ کا عیب لگایا تو اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ اس گناہ کو خود نہ کرے گا۔

قیامت کے روز مفلس شخص وہ ہوگا جو نماز، روزے، حج، زکوٰۃ کے ساتھ بہت سی نیکیاں لائے گا اس حال میں کہ دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا، اس بندے کی نیکیاں دوسرے لے جائیں گے۔ اب اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس کے سر ڈال دیے جائیں گے۔ پھر اسے دوزخ کے حوالے کیا جائے گا۔ بڑی بڑی نیکیاں لے کر آنے والے اس دن مفلس ہو جائیں گے۔ یہ کوئی

سمجھ داری نہیں کہ اپنی نیکیاں دوسروں کو دے بیٹھیں۔ اپنی جانوں، اولاد اور مالوں کے لیے بددعا نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مقبولیت کی گھڑی میں بددعا کی جائے اور اللہ تعالیٰ تمہاری بددعا قبول کرلے۔

کوئی دینی مسئلہ کسی سے پوچھنا ہو تو بتانے والا اٹکل پچو سے ہرگز نہ بتائے اگر مسئلہ غلط بتادیا اور سائل نے اس پر عمل کرلیا تو اس کا گناہ اس جاہل مفتی پر ہوگا جب تک اس پر عمل کرتا رہے گا اور دوسروں کو بتاتا رہے گا، اس کا وبال غلط فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔ جس مسئلہ کا علم نہ ہو تو صاف کہہ دے کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ امام ابوحنیفہ بعض مسائل کے بارے عمر بھر فیصلہ نہ کرسکے۔ امام مالک سے ایک بار 48 مسائل پوچھے گئے تو انہوں نے صرف چھ کا جواب دیا۔ باقی بیالیس کے بارے میں فرمایا ''لَا اَدْرِیْ'' مجھے علم نہیں۔

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس چاہیے کہ منہ سے خیر کی بات نکالے ورنہ خاموش رہے۔ لمبی خاموشی اختیار کرنے سے شیطان ذلیل ہو کر دور ہوگا۔ اگر انسان اپنی زبان کو نیکی کے کاموں میں استعمال کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو خاموشی اختیار کرے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے بولنے پر بار بار ندامت ہوتی ہے مگر خاموشی پر کبھی شرمندگی نہیں ہوئی۔ ہم جو کچھ بولتے ہیں وہ ہوا میں نہیں اُڑ جاتا مگر لکھ لیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا فریضہ چھوڑ کر خاموشی اختیار کرلیں جہاں نیکی کرنے کا حکم ہو اور برائی سے روکنے کی ضرورت ہو وہاں خاموشی گناہ بن جاتی ہے۔

غیبت کرنا مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرے جو اسے برا لگے اگرچہ وہ بات بھائی میں موجود ہو اور اگر تو نے بھائی کے بارے میں وہ کہا جو اس میں موجود نہیں تو یہ بہتان ہے۔ غیبت، اصل میں یہ ہے کہ کسی کے پیٹھ پیچھے اس کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ اسے سننے پر ناگواری ہو۔ ہر وہ کلام یا اشارہ جس سے کسی کا دل دُکھے سب حرام اور غیبت میں شامل ہے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے لنگڑے کو لنگڑا، بہرے کو بہرہ اور اندھے کو اندھا کہا ہے اور یہ بات حقیقت اور واقعہ کے خلاف نہ ہے۔ جھوٹا ہوتا تو قابل گرفت ہوتا مگر یاد رکھیں کہ شرعاً یہ حیلہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اصل چیز 'ناگواری کا احساس' ہے۔ غیبت کے گناہ کا مدار پیٹھ پیچھے کہے گئے فقرات کی ناگواری پر ہے، بات کے سچا اور جھوٹا

ہونے پر نہ ہے۔ غیبت، زنا سے بدتر ہے۔ جس طرح غیبت کرنا منع ہے اسی طرح غیبت سننا بھی حرام ہے۔ ہمیں غیبت کا ایسا چسکا لگ چکا ہے کہ اس کے بغیر روٹی بھی ہضم نہیں ہوتی۔ کسی کی زبان سے غیبت کر دی، کسی کی آنکھ کے اشارے سے، کسی کی نقل اُتار کر، کسی کی خط میں لکھ کر کسی کی اخبار میں مضمون دے کر، کسی کی موبائل میں۔ شائقینِ غیبت مردوں کو بھی نہیں بخشتے جن سے اب معافی بھی نہیں مانگی جا سکتی۔

غیبت کرنے والوں کے لیے جہنم میں ایک خاص جگہ تیار کی گئی ہے جس کا نام ہاویہ ہے۔ ہاویہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ غیبت کرنے اور سننے والوں کو زنجیروں میں جکڑ کر ستونوں سے باندھا جائے گا۔ آگ کے انگارے اُٹھیں گے اور ان پر گریں گے۔ آگ کے میزائل داغے جائیں گے جو ان کے دلوں کو نشانہ بنائیں گے یہ آگ بنی اس لیے ہے کہ دنیا میں جو شخص لوگوں کے دلوں کو بذریعہ غیبت جلاتا تھا قیامت کے روز اس کے دل کو ہاویہ کی آگ سے جلایا جائے گا۔

پس جب تم کسی بندے کو دیکھو جسے دنیا سے بے رغبت ہونے اور کم بولنے کی نعمت عطا ہوئی ہے تو اس کی صحبت اختیار کرو کیونکہ اس پر حکمت کا اِلقاء ہوتا ہے۔ فضول بولنے سے دل میں سختی آ جاتی ہے۔ گناہوں کو چھوڑ دو یہ افضل ترین ہجرت ہے۔ فرائض کی پابندی کرو یہ افضل ترین جہاد ہے اور ذکر الٰہی سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز محبوب نہیں، جسے لے کر تم بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو۔ قربان جائیں ربیع بن خیثم پر جنہوں نے بیس سال تک دنیا کی بات نہیں کی۔ جب کوئی بات کرتے تو اسے لکھ لیتے۔ شام کو اپنے نفس کا محاسبہ کرتے کہ فلاں بات کس ضرورت سے کہی یا ضرورت سے زیادہ۔

غیبت کب جائز ہے؟

- مظلوم، ظالم کے خلاف اپنی دادرسی کے لیے غیبت کر سکتا ہے۔
- کسی فسادی کے فساد سے لوگوں کو مطلع کیا جا سکتا ہے۔
- فتویٰ پوچھنا کہ کوئی شخص ایسا کرے تو اس کے لیے کیا حکم ہے اس کا نام بھی لے سکتے ہو۔
- کوئی شخص معیوب نام سے مشہور ہو، اس سے وہ ناراض نہ ہوتا، مثلاً لنگڑا چھوٹو وغیرہ مگر اولیٰ یہ ہے کہ اصل نام سے پکارا جائے۔

- ایسے لوگوں کے عیوب ظاہر کیے جائیں جو فسق و فجور کو عیب خیال نہ کرتے ہوں۔
- کسی چور کا، بدعتی کا عیب بیان کرنا تا کہ دوسروں کو نقصان نہ پہنچے۔
- تین آدمیوں کی شکایت کرنا، غیبت میں داخل نہیں:

1۔ظالم، 2۔بدعتی، 3۔فسق و فجور میں مبتلا شخص۔

غیبت سے بچنے کے طریقے

ا۔ جن محفلوں میں کسی کی غیبت کا اندیشہ ہو، وہاں جانے میں احتیاط سے کام لیں۔

ب۔ محفلوں میں اپنی زبان اور کانوں کی حفاظت کریں۔

ج۔ اگر کسی محفل میں کسی کی غیبت کی جارہی ہو تو اس کا دفاع کریں۔اس کی کوئی خوبی بیان کریں یا اس کی برائیوں کی تردید کر دیں یا یہ کہہ دیں کہ حقیقت حال کو اللہ بہتر جانتا ہے۔میرے ساتھ اس کا برتاؤ اچھا ہے۔

د۔ کسی مرنے والے کی غیبت کی ہے یا سنی ہے تو اس کے لیے زیادہ سے زیادہ استغفار کریں۔

ر۔ جس کی غیبت کی گئی ہے اس کے لیے یہ دعا بکثرت پڑھیں: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلِمَنْ ظَلَمْتُہٗ وَاغْتَبْتُہٗ (اے اللہ! مجھے معاف فرما اور اس کو جس پر میں نے ظلم کیا اور جس کی میں نے غیبت کی)

زبان کی حفاظت کا آسان نسخہ

اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو آنکھیں دی ہیں ایک آنکھ سے اپنی خامیوں کوتاہیوں اور گناہوں پر نظر رکھیں۔دوسری آنکھ سے دوسروں کی خوبیوں کو تلاش کریں۔کچھ عرصہ یہ وظیفہ جاری رکھیں ان شاء اللہ زبان کی حفاظت پر کنٹرول حاصل ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ کے لیے ہمیں زبان کی حفاظت کی توفیق دے اور کسی کی غیبت کرنے، سننے، تہمت لگانے، گالی دینے، مذاق اڑانے، آبروریزی کرنے، جھوٹی قسم کھانے اور لعنت بھیجنے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

جدید سائنس اور مصوّرِ کائنات

ظہیر خالد قریشی

(بشکریہ اُردو سائنس میگزین، جنوری تا مارچ 2021ء)

گزشتہ سال 21 دسمبر کو دو آسمانی سیارے زحل اور مشتری ایک دوسرے کی سیدھ میں آ گئے۔ یہ مظہر لگ بھگ آٹھ سو سال کے بعد رونما ہوا تھا۔ آسمانی مظہر کی اس تشکیل پر فلکیات دانوں نے کئی راز اِفشاء کر دیے بلکہ یہاں تک کہ بعض مغربی مفکرین نے تو اسے بائبل میں پہلے سے موجود ایک نشانی کے ذکر کے طور پر بھی پیش کر دیا۔ حالانکہ یہ آسمانی نظارے کوئی نئے نہیں ہیں جس طرح چاند گردش کرتا ہوا جب سورج اور زمین کے درمیان آ جاتا ہے تو سورج کی شعاعیں زمین تک نہیں پہنچ پاتیں اور اسے سورج گرہن کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب زمین سورج اور چاند کے درمیان آ جاتی ہے تو چاند گرہن لگ جاتا ہے۔ بعینہٖ اس مظہر کو بھی ایسے ہی تصور کیا جا سکتا ہے۔ ایسا مظہر قریباً آٹھ سو سال کے بعد رونما ہوتا ہے۔

یہ کائنات اگرچہ بے حد وسیع ہے اور ابھی تک سائنس اس کے پوشیدہ رازوں کو بے نقاب کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ اس کائنات میں اربوں کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں میں کھربوں کی تعداد میں ستارے اور سیارے موجود ہیں۔ ان اربوں کھربوں کہکشاؤں میں ستاروں کا دوسرے ستاروں اور سیاروں سے اربوں کلومیٹر کا فاصلہ موجود ہے۔ یوں ہر کہکشاں دوسری کہکشاں سے ارب ہا ارب کلومیٹر دور ہے۔ ہماری زمین سے قریب ترین کہکشاں جسے ''اینڈرومیڈا'' کہا جاتا ہے، کا زمین سے فاصلہ تقریباً 23 کروڑ کھرب ($2.3x10^{19}$) کلومیٹر

ہے۔ اتنی عظیم الشان کہکشاں بھی اتنا دور ہونے کے باوجود ہمیں آسمان پر محض ستارے کی مانند دکھائی دیتی ہے۔ اگر ہم اس کہکشاں تک روشنی کی رفتار سے پہنچنا چاہیں تو بھی ہمیں قریباً 25.37 لاکھ سال درکار ہوں گے۔ جب کہ موجودہ جدید ترین ٹیکنالوجی کے ذریعے اس فاصلے کو طے کرنے کے لیے کم ازکم 3 ارب 75 کروڑ سال لگ جائیں گے۔

اس کائنات میں سورج ایک مقررہ راستے پر قریباً پچھلے 5 ارب سال سے 600 میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا خاندان، 8 سیارے، بونے سیارے، کہکشائیں اور چھوٹے شمسی اجسام کا قافلہ رواں دواں ہے۔ زمین سورج کے گرد اپنا چکر 365 دنوں میں مکمل کرتی ہے، اسی طرح دیگر سیارے اور اجرامِ فلکی اپنی طے کردہ ترتیب سے گردش کر رہے ہیں۔ سورج اور اس کے گرد اجسام کی یہ گردش مسلسل جاری ہے۔ کبھی نہیں ہوا کہ تھک کر کوئی پیچھے رہ جائے یا غلطی سے کوئی سیارہ اِدھر اُدھر ہو جائے۔ بلکہ سب اجرامِ فلکی اپنی اپنی راہ پر اپنے اپنے پروگرام کے مطابق نہایت تابعداری سے چلے جا رہے ہیں۔ ان تمام اجسام کا اپنے اپنے مقررہ مداروں میں چلنے کی ترتیب کا سیکنڈوں کے حساب سے بھی فرق نہیں آتا۔ بلکہ ان کے اندر ایسی پروگرامنگ ترتیب دی گئی ہے جسے جدید دنیا کے کسی کمپیوٹر میں بھی اب تک ترتیب نہیں دیا جا سکا۔ ظاہر ہے اس سارے انتظام کے پیچھے کوئی بہت بڑا سائنسدان ہوگا جس کے پاس ہر شے کی خرابی کا بھی علاج ہوگا۔ اگر جدید دنیا کا کوئی سائنسدان یہ کہے کہ یہ اجرامِ فلکی چلتے تو ہیں لیکن چلانے والا تو نہیں، ان سب کا ڈیزائن تو ہے، لیکن ڈیزائنر کوئی نہیں، سب کے لیے قانون اور ضابطہ ہے، لیکن قانون کو نافذ کرنے والا کوئی نہیں ہے، یہ کنٹرول میں ہیں، لیکن کنٹرولر کوئی نہیں بس یہ سب ایک حادثہ ہے۔ اسے آپ کیا کہیں گے؟

چاند، زمین کے گرد اپنے مدار میں باقاعدگی سے گردش کرتا ہے اور 29 سے 30 دنوں میں اپنا چکر مکمل کرتا ہے۔ ایک قمری سال عموماً 355-354 دنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ چاند تین لاکھ ستر ہزار میل دور زمین پر سمندروں کے اربوں کھربوں ٹن پانیوں کو ہر روز دو دفعہ مد و جزر سے ہلاتا رہتا ہے تاکہ ان میں بسنے والی مخلوق کے لیے ہوا سے مناسب مقدار میں آکسیجن کا انتظام ہوتا رہے، کھڑا پانی صاف ہوتا رہے اور اس میں تعفّن پیدا نہ ہو۔ ساحلی علاقوں کی صفائی ہوتی رہے اور

غلاظتیں بہہ کر گہرے پانیوں میں چلی جائیں۔ یہی نہیں، بلکہ سمندروں کا پانی لگ بھگ تین ارب سال سے ایک خاص مقدار میں کھارا ہے، نہ زیادہ نہ کم نمکین بلکہ ایک مناسب توازن برقرار رکھے ہوئے ہے تاکہ اس میں چھوٹے بڑے سب آبی جانور آسانی سے تیر سکیں اور مرنے کے بعد ان کی لاشوں سے بو نہ پھیلے۔ اسی میں کھارے اور میٹھے پانی کی نہریں بھی ساتھ ساتھ بہتی ہیں۔ سطح زمین کے نیچے بھی میٹھے پانی کے سمندر ہیں جو کھارے پانی کے کھلے سمندروں سے ملے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے درمیان ایک غیبی پردہ ہے تاکہ میٹھا پانی میٹھا رہے اور کھارا پانی کھارا۔ اس حیران کن انتظام کے پیچھے کون سی عقل ہے؟ اس توازن کو کون برقرار رکھے ہوئے ہے؟ کیا پانی کی اپنی سوچ تھی یا چاند کا اپنا فیصلہ؟

ایک معمولی سی چڑیا شاہین سے مقابلہ پر اُتر آتی ہے، مرغی کے بچے انڈے سے نکلتے ہی چلنے لگتے ہیں، حیوانات کے بچے بغیر سکھائے ماؤں کی طرف خوراک کے لیے لپکتے ہیں۔ جانوروں کے دلوں میں کون ایسی محبت ڈال دیتا ہے کہ وہ اپنی چونچوں میں خوراک لا کر اپنے بچوں کے منہ میں ڈالتے ہیں؟ یہ طریق زندگی انھوں نے کہاں سے سیکھے؟ یہ حوصلہ انھیں کس نے دیا؟ انھیں یہ سب کچھ کون سکھاتا ہے؟ شہد کی مکھیاں دور دراز باغوں میں ایک ایک پھول سے رس چوس چوس کر انتہائی ایمانداری سے لا کر اپنے چھتے میں جمع کرتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ماہر سائنسدان کی طرح جانتی ہے کہ کون سے پھول زہریلے ہیں، ان کے پاس نہیں جانا۔ یہ ایک قابل انجینئر کی طرح شہد اور موم کو علیحدہ علیحدہ کرنے کا فن بھی جانتی ہیں۔ جب گرمی ہوتی ہے تو شہد کو پگھل کر بہنے سے روکنے کے لیے اپنے پروں کو حرکت دیتی ہیں اور اس طرح پروں سے پنکھا جھل کر شہد کو ٹھنڈا بھی کرتی ہیں۔ یہ موم سے ایسا گھر بناتی ہیں جسے دیکھ کر بڑے سے بڑے ماہر فن تعمیر بھی حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ یہ لاکھوں کی تعداد میں ایسے منظّم طریقے سے کام کرتی ہیں کہ ان کی مثال نہیں ملتی۔ ہر ایک میں ایسا ریڈار نظام نصب ہے کہ وہ دور دور نکل جاتی ہیں لیکن اپنے گھر کا راستہ نہیں بھولتیں۔ انھیں زندگی کے یہ طریقے کس نے سکھائے؟ انھیں یہ عقل کس نے دی؟

مکڑا شکار پکڑنے کے لیے اپنے منہ کے لعاب سے ایسا جال بنتا ہے کہ جدید ٹیکسٹائل انجینئرز بھی اس بناوٹ کا نفیس دھاگا بنانے سے قاصر ہیں۔ ریشم کا کیڑا اپنے لعاب

کے ذریعے کتنا شاندار ریشم بنتا ہے کہ اس جیسا خالص ریشم آج کل کی جدید کپڑوں کی صنعتوں میں بھی تیار نہیں کیا جا سکتا۔

چیونٹیاں گرمیوں میں موسم سرما کے لیے خوراک جمع کرتی ہیں، اپنے بچوں کے لیے گھر بناتی ہیں اور ایسے نظم وضبط سے رہتی ہیں جہاں انتظامی اصول حیران کن حد تک کارفرما ہیں۔

ٹھنڈے پانیوں میں رہنے والی مچھلیاں اپنے انڈے اپنے وطن سے ہزاروں میل دور گرم پانیوں میں جا کر دیتی ہیں لیکن ان سے نکلنے والے بچے جوان ہو کر ماں کے وطن خود بخود پہنچ جاتے ہیں۔ ان تمام جانداروں کو یہ عقل وشعور کس نے عطا کیا؟ ان کو یہ اعلیٰ صلاحیتیں کہاں سے ملیں؟

نباتات کی زندگی کا سائیکل بھی کم حیران کن نہیں، جراثیم اور بیکٹیریا کیسے کروڑوں سالوں سے اپنی بقا کو قائم رکھے ہوئے ہیں؟ زندگی کے گر انھیں کس نے سکھائے؟ معاشرتی نظام کے یہ اصول انھیں کس نے سکھائے؟

کیا زمین اس قدر عقل مند ہے کہ اس نے بھی خود بخود لیل ونہار کا نظام قائم کرلیا؟ خود بخود ہی اپنے محور پر 23.5 ڈگری تک جھک گئی تاکہ سارا سال موسم بدلتے رہیں، کبھی بہار، کبھی گرمی، کبھی سردی اور کبھی خزاں۔ تاکہ اس پر بسنے والوں کو ہر طرح کی سبزیاں، پھل اور خوراک سارا سال ملتی رہے۔ کیا زمین نے اپنے اندر شمالاً جنوباً ایک طاقتور مقناطیسی نظام بھی خود بخود ہی قائم کرلیا؟ تاکہ اس کے اثر کی وجہ سے بادلوں میں بجلیاں کڑکیں جو ہوا کی نائٹروجن کو نائٹرس آکسائڈ میں بدل کر بارش کے ذریعے زمین پر پودوں کے لیے قدرتی کھاد مہیّا کریں، سمندروں پر چلنے والے بحری جہاز، آبدوز اور ہواؤں میں اُڑنے والے طیارے اس مقناطیسی میدان کے ذریعے اپنی منزل کی جانب بڑھتے جائیں اور اوزون کی تہہ جیسے قدرتی غلاف کے باعث آسمانوں سے آنے والی مہلک شعاعیں اس سے ٹکرا کر واپس پلٹ جائیں تاکہ زمینی مخلوق ان کے مہلک اثرات سے محفوظ رہے اور یہاں چرند پرند سمیت حیوانی ونباتی زندگی کا وجود برقرار رہے۔

زمین، سورج، ہواؤں، پہاڑوں اور میدانوں نے مل کر سمندر کے ساتھ کون سا باہمی معاہدہ کر رکھا ہے کہ سورج کی گرمی سے آبی بخارات سمندر سے اُٹھیں، ہوائیں اور اربوں ٹن پانی

کو اپنے دوش پر اٹھا کر پہاڑوں اور میدانوں تک لائیں، ستاروں سے آنے والے ریڈیائی ذرّے بادلوں میں موجود پانی کو اکٹھا کر کے قطروں کی شکل دیں اور پھر یہ پانی میٹھا بن کر خشک میدانوں کو سیراب کرنے کے لیے زمین پہ برسے۔

سردیوں کے موسم میں پانی کم استعمال ہوتا ہے تو یہ پہاڑوں پر برف کے ذخیرے کی صورت میں جمع ہوجاتا ہے۔ گرمیوں میں جب زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ سورج کی حرارت سے پگھل کر ندی نالوں اور دریاؤں کی صورت میں میدانوں کو سیراب کرتے ہوئے واپس سمندر تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا شاندار متوازن نظام ہے جو کھیتوں کو سیراب بھی کرتا ہے اور پانی بھی ضائع نہیں ہونے دیتا۔ کیا یہ بھی ستاروں، ہوا اور زمین کی اپنی باہمی سوچ تھی؟

نومولود بچے کو کون سمجھاتا ہے کہ بھوک کے وقت رو کر ماں کی توجّہ اپنی طرف مبذول کرانی ہے؟ ماں کو یہ جذبہ کس نے دیا کہ ہر خطرے کے سامنے سینہ سپر ہوکر اپنے بچے کی بھوک مٹائے اور اسے خطرات سے بچائے۔ لبلبہ ہمارے خون میں شوگر کی ایک خاص مقدار کو بڑھنے نہیں دیتا۔ ایک نارمل دل ہر منٹ میں 80-70 بار باقاعدہ منظّم طور پر حرکت کرتا ہے اور خون کو پمپ کرتا رہتا ہے۔ انسانی دل ایک سال میں اوسطاً 18 کروڑ 20 لاکھ لیٹر خون پمپ کرتا ہے۔ دل 70 سال کی زندگی میں بلا مرمت تقریباً تین ارب بار دھڑکتا ہے۔ یہ دھڑکن عورتوں اور مردوں میں مختلف ہوتی ہے۔

پھیپھڑوں کی بناوٹ ایسی ہے کہ ان کے پھیلنے اور سکڑنے کے نتیجے میں ناک کے ذریعے جسم کو فضا سے صاف ستھری آکسیجن فراہم ہوتی ہے، ایک نارمل انسان ایک دن میں قریباً 23 ہزار بار سانس لیتا ہے۔ انسانی جگر خود کو دوبارہ مرمّت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انسانی دانتوں کی ترتیب اور بناوٹ کس قدر شاندار ہے جو اس کے کھانے اور چبانے میں مدد کرتے ہیں۔ زبان جسم کے عضلات میں سب سے مضبوط ہے جو ہمیں ذائقوں کی پہچان کرواتی ہے۔ اسی طرح جلد جسم کا سب سے بیرونی حصہ ہے جو تمام عمر تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

ہمارے گردے صفائی کی بے مثل اور عجیب فیکٹری ہیں جو جانتی ہے کہ خون میں جسم کے لیے مفید مادوں کو رکھ لینا ہے اور فضلات کو باہر پھینک دینا ہے۔ معدہ حیران کن طور پر ایک

ایسی کیمیائی فیکٹری ہے جو خوراک سے زندگی بخش اجزا مثلاً کیلشیم، نمکیات، پروٹین، کاربوہائیڈریٹس وغیرہ کو علیحدہ کر کے خون کے حوالے کر دیتا ہے اور فضلات کو باہر نکال دیتا ہے۔انسانی جسم میں انجینئرنگ کے یہ شاہکار، سائنس کے یہ بے مثل نمونے، چھوٹے سے پیٹ میں یہ لاجواب فیکٹریاں، کیا یہ سب کچھ یوں ہی بن گئے تھے؟

دماغ کی تشکیل کس نے کی؟ مضبوط ہڈیوں کے خول میں بند، پانی میں یہ تیرتا ہوا عقل کا خزانہ، معلومات کا سٹور، احکامات کا سینٹر، انسان اور اس کے ماحول کے درمیان رابطہ کا ذریعہ، ایک ایسا سپر کمپیوٹر کہ جدید سائنس اس کی بناوٹ اور ڈیزائن کو پوری طرح ابھی تک نہیں سمجھ پائی۔ لاکھوں کوششوں کے باوجود انسانی ہاتھ اور ذہن کا بنایا ہوا کوئی سپر کمپیوٹر بھی اس کے عشر عشیر نہیں ہوسکا۔

انسانی جسم کھربوں خلیات کا مجموعہ ہے۔ یہ خلیے اتنے چھوٹے ہیں کہ خوردبین کی مدد کے بغیر نظر نہیں آتے، لیکن سب خلیات جانتے ہیں کہ انھیں کیا کرنا ہے؟ یوں انسان کا ہر ایک خلیہ شعور رکھتا ہے اور اپنے وجود میں مکمّل شخصیّت ہے۔ ہر خلیے میں موجود جینز میں ہماری پوری پروگرامنگ لکھی ہے اور زندگی اس پروگرام کے مطابق خود بخود چلتی رہتی ہے۔ ہماری زندگی کا پورا ریکارڈ، ہماری شخصیت ہماری عقل و دانش، غرض ہمارا سب کچھ پہلے ہی سے ان خلیات پر لکھا جا چکا ہے۔ یہ کس کی پروگرامنگ ہے؟

نباتات کو دیکھ لیجیے، ان کے بیج کے اندر ان کا پورا نقشہ بند ہے، یہ کس کی نقشہ بندی ہے؟ خوردبین سے بھی مشکل سے نظر آنے والا خلیہ ایک مضبوط توانا عقل و ہوش والا انسان بن جاتا ہے۔ یہ کس کی بناوٹ ہے؟ ہونٹ، زبان اور تالو کے اجزا کو سینکڑوں انداز میں حرکت دینا کس نے سکھایا؟ ان حرکات سے طرح طرح کی معقول آوازیں کون پیدا کرتا ہے؟ ان آوازوں کو معنی کون دیتا ہے؟ لاکھوں الفاظ اور ہزاروں زبانوں کا خالق کون ہے؟

ساڑھے چودہ سو سال پہلے جب جدید سائنس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ عرب کے صحراؤں میں جہاں کوئی سکول اور کالج نہیں تھا، اس وقت عرب کے ایک عظیم گھرانے سے تعلق رکھنے والی عظیم ترین ہستی نے بتا دیا تھا کہ زمین اور آسمان کی تخلیق محض ایک حادثہ یا اتفاق نہیں ہے بلکہ

باقاعدہ طور پرتخلیق کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّةِ اَیَّام (سورۃ الحدید:4)

''وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دنوں میں''۔

اس عظیم شخصیت نے یہ دعویٰ کیا کہ سورج اور چاند سب ایک حساب کے پابند ہیں:

اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ (سورۃ الرحمٰن:5)

''سورج اور چاند ایک حسابِ مقرر سے چل رہے ہیں۔

سمندروں کی گہرائیوں کے متعلق بتایا ہے:

بَیۡنَهُمَا بَرۡزَخٌ لَّا یَبۡغِیٰنِ (سورۃ الرحمٰن:20)

''ان کے درمیان برزخ ہے جو (ان سمندروں کو) قابو میں رکھے ہوئے ہے''۔

یعنی دونوں سمندر جو باہم پلے ہوئے ہیں۔ایک دوسرے سے الگ الگ رہتے ہیں۔

جب ستاروں کو اپنی جگہ لٹکے ہوئے چراغ کہا جاتا تھا وہ کہتا ہے:

وَ کُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ یَّسۡبَحُوۡنَ (سورۃ یٰسین:40)

''اور ہر ایک، ایک گھیرے (مدار) میں تیر رہا ہے''۔

یعنی سب کے سب اپنے اپنے مدار میں چل رہے ہیں۔

جب سائنس دان سورج کو ساکن قرار دیتے تھے تو اس نے بتایا:

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا (سورۃ یٰسین:38)

''اور سورج چلتا ہے اپنے ایک مقررہ راستے پر''۔

یعنی سورج اپنے لیے مقرر شدہ راستے پر کسی انجانی منزل کی طرف ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔

جب کائنات کو ایک جامد شے اور آسمان کی چھت کہا جاتا تھا تو اس نے کہا:

وَالسَّمَآءَ بَنَیۡنٰهَا بِاَیۡدٍ وَّ اِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ (سورۃ الذاریات:47)

''اور آسمان کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا اور بے شک ہم اسے (کائنات کو) پھیلانے والے ہیں''۔

وہ نباتات اور حیوانی زندگی کے بارے میں بتاتا ہے کہ ان سب کی بنیاد پانی ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیّ (سورۃ الانبیاء: آیت 30)

''اور ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے بنایا ہے۔

جدید سائنس کے بانی البرٹ آئن سٹائن نے دریافت کیا کہ قوانین قدرت اٹل ہیں۔

لیکن اس عظیم شخصیت نے بہت پہلے ہی بتا دیا تھا کہ:

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (سورۃ الملک: 3)

''تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی جگہ فرق نہیں پاؤ گے؟

شمسی اور قمری کیلنڈروں کے مہینوں کا تعین کرتے ہوئے بتایا:

اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا (سورۃ التوبہ: 36)

''بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہے''۔

جدید سائنس کی ان قابلِ فخر دریافتوں پر ساڑھے چودہ سو سال پہلے پردہ اٹھانے والی یہ عظیم شخصیت کس یونیورسٹی سے تعلیم یافتہ تھی اور اس نے کس سائنسی لیبارٹری میں کام کیا؟ اس نے ان حقیقتوں سے پردہ کس طرح سے اٹھایا۔ ان کو علم دینے والا کون تھا؟

جب ان سب حقیقتوں پہ غور کیا جائے تو صرف ایک ہی ذات کا تصور سامنے آتا ہے۔ جو ہر شے کا اکیلا مالک ہے۔ ہر شے کا خالق ہے، جو سب سے بڑا ہے اور ایسا حقیقی مصور بھی، جس نے اس کائنات کی تصویر کو ایسی ترتیب سے منور کیا کہ ہر شے اپنے اپنے پروگرام کے مطابق ازل سے اپنے کام سرانجام دے رہی ہے اور اپنی فنا یعنی ابد تک سرانجام دیتی رہے گی۔ اسی ہستی کے بارے میں ہی کہا جاتا ہے: **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** ......۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

’میں نے زندگی سے کیا سیکھا‘

ڈاکٹر محمد امین

(بشکریہ ماہنامہ البرہان، لاہور جون 2021ء)

کرونا کی تکلیف وتجربات

اپریل 2021ء/رمضان المبارک 1442ھ میں پاکستان میں کرونا کی تیسری لہر آئی جو زیادہ خطرناک ثابت ہوئی۔ میں احتیاط بھی کر رہا تھا اور ویکسینیشن بھی کرائی لیکن ویکسینیشن کی دوسری ڈوز کے ایک ہفتہ بعد جکڑا گیا اور اگلا ایک مہینہ سخت اذیت میں گزرا۔ اس دوران اگر طبیعت کسی وقت سنبھل جاتی تو عادت سے مجبور ہو کر کچھ لکھ بھی لیتا۔ اسی کی تبییض حاضر خدمت ہے۔

کرونا ___ تین بیماریوں اور اذیتوں کا مجموعہ

بیماری جو بھی ہو تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتی ہے لیکن کرونا میں تین بیماریاں جمع ہوگئی ہیں جنہوں نے تکلیف کو بہت بڑھا دیا ہے۔ ایک تو ہے کرونا: بخار، کھانسی، جسم میں درد، بے چینی اور شدید کمزوری۔ اس کی ابتداء نزلہ زکام کی علامتوں سے ہوئی اور پھیپھڑوں کے نمونیے تک لے گئی۔ سانس ناہموار ہوئی تو بیٹے گھر میں آکسیجن سلنڈر لے آئے۔ زیادہ تکلیف کا خدشہ ہوا تو ہسپتال میں داخل کرا دیا لیکن الحمد للہ طبیعت بہتر رہی تو تین دن بعد واپس آ گیا اور آکسیجن کی ضرورت بھی نہ رہی۔

اس بیماری سے بڑی اذیت تھی قید تنہائی کی، جسے میڈیکل والے قرنطینہ کہتے ہیں یعنی مریض اکیلا الگ تھلگ کمرے میں رہے۔ میں نے تو تین ہفتے تک تنہائی کی یہ اذیت سہی لیکن اس

احتیاط کا زیادہ فائدہ نہ ہوا کیونکہ میری خدمت کرنے والے دونوں بیٹے کرونا کی لپیٹ میں آ گئے۔ ان کی وجہ سے ان کی بیویاں اور بچے بھی متاثر ہوئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس مرض میں بچے زیادہ متاثر نہیں ہوتے اور بیٹے بھی ماشاء اللہ چونکہ جوان اور صحت مند تھے اس لیے ان کی تکلیف بھی قابل برداشت رہی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جلد صحت دی۔ اہلیہ بہر حال اس مشکل وقت میں یاد آتی رہیں (جن کا پچھلے سال 28 جولائی 2020ء کو انتقال ہو گیا تھا) کہ اگر وہ زندہ ہوتیں تو بہت خدمت کرتیں اور شاید تکلیف زیادہ محسوس نہ ہوتی۔ بہر حال، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر جس نے نیک اور خدمت کرنے والی اولاد دی ہے۔

تیسری بیماری جس نے اس اذیت کو بڑھا دیا وہ ہے پڑھنے لکھنے اور چوبیس گھنٹے خود کو مصروف رکھنے کی عادت۔ بیماری، تکلیف، کام کرنے کی سکت ندارد، چوبیس گھنٹے گزریں تو کیسے گزریں؟ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا۔ میں ایک سیلف میڈ آدمی ہوں۔ غریب گھرانے میں آنکھ کھولی۔ زندگی بھر جدوجہد کی۔ خود کو بہت مصروف رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے زندگی میں دینی ودنیاوی لحاظ سے جو کچھ حاصل کیا اسی جذبے اور محنت کا نتیجہ ہے۔

غرض یہ کہ کرونا، تنہائی اور کام نہ کر سکنے کی کیفیت نے اس بیماری کو سہ آتشہ بنا دیا ہے۔

ڈپریشن سے بچنا

'صبر کرو' کہنا آسان ہے لیکن اس پر عمل مشکل لہٰذا ان حالات میں، عارضی طور پر سہی، ڈپریشن، مایوسی اور بے چینی (ANXIETY) کے وقفے آتے رہے اور زندگی میں پہلے بھی آتے رہے ہیں۔ جذباتی ہیجان (PANIC) کی اس کیفیت سے نکلنے کے لیے میں نے کچھ ٹپس (TIPS) وضع کر رکھی ہیں:

1۔ 'یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ' کا ورد کثرت سے کرتا ہوں اور صرف اسی حالت میں کرتا ہوں، عام حالات میں نہیں کرتا۔ گویا یہ ورد میں نے اسی غرض سے آخری علاج کے طور پر بچا کر رکھا ہوا ہے۔

2۔ اونچی آواز میں اللہ کو مدد کے لیے پکارنے لگتا ہوں: یا اللہ رحم فرما! یا اللہ فضل فرما! یا اللہ صبر دے! یا اللہ تکلیف دُور فرما اور ان الفاظ کو دہراتا رہتا ہوں۔

3۔ شدید غم اور شدید تکلیف میں رو لینا بھی مفید ہے۔ یہ نہ بزدلی ہے، نہ صبر کے خلاف بلکہ جذبات کے اظہار کا فطری طریقہ ہے۔ اس سے نفسیاتی طور پر کتھارسس ہو جاتا ہے، جذبات کی نکاسی ہو جاتی ہے اور آدمی قدرے پر سکون ہو جاتا ہے۔

4۔ ہلکا پھلکا مطالعہ جیسے کسی ڈائجسٹ سے جاسوسی کہانیاں پڑھنا وغیرہ۔

بیماری اور ڈپریشن کے باوجود کام

یہ عادت بھی خود کو برسوں کی مشقت سے ڈالی ہوئی ہے کہ صدمے اور ڈپریشن کے وقفے کو عارضی رکھتا ہوں اور جلد اس کیفیت سے نکل کر خاطر جمعی کے ساتھ کسی تعمیری کام میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ مطالعہ کے علاوہ، جو دن رات چلتا ہی رہتا ہے، میری عادت ہے کہ لکھنے کے دو تین کام ہر وقت پیش نظر رکھتا ہوں۔ البرہان کی وجہ سے تازہ دینی حالات و واقعات کا تجزیہ۔ تعلیم و تزکیہ، مغربی تہذیب اور غلبۂ دین کے موضوع پر کسی نہ کسی تالیف پر کام کر رہا ہوتا ہوں اور کچھ مستقبل کے کسی تحریری منصوبے کے لیے مواد جمع کر رہا ہوتا اور مطالعہ کر رہا ہوتا ہوں۔ لہٰذا جب بھی بیماری یا صدمے کی شدید کیفیت نہ ہو تو ان کاموں میں سے کسی نہ کسی کام میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ چنانچہ بیماری کی اس حالت میں مئی کا البرہان فائنل کیا۔ ''اسلام اور تعمیر سیرت'' کے عنوان سے زیر تسوید کتاب کے آخری باب کی تکمیل کی اور یہ یادداشتیں لکھیں۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

آخری عمر کی عبادت

تقرب الی اللہ، عبادت و نوافل و ذکر کی کثرت اور عبادت کی لذت کس مسلمان کی آرزو نہیں ہوتی؟ اپنی بھی عمر بھر یہی کیفیت رہی کہ ؎

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا

یعنی میں صالح تو نہیں ہوں لیکن صالحین سے محبت ضرور کرتا ہوں شاید اس طرح اللہ تعالیٰ میری بھی اصلاح فرما دیں۔

ہم میں سے اکثر کی یہ حالت ہے کہ جوانی اور صحت کا زمانہ دوسری دنیاوی یا دینی سرگرمیوں میں گزر جاتا ہے اور آدمی توقع کرتا ہے کہ بڑھاپے میں دل نرم ہو جائے گا، دوسری

سرگرمیاں کم ہوجائیں گی تو آدمی خشوع وخضوع سے زیادہ عبادت کر سکے گا۔ چلو ٹوٹے پھوٹے ہی سہی فرائض و واجبات تو ادا کر ہی رہا ہوں۔ لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ عبادت و ذکر وغیرہ کے جو معمول عمر بھر بن جائیں، آخری عمر میں جا کے ان میں اضافہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور یہ بالعموم نہیں ہو پاتا بلکہ بیماری اور کمزوری میں معمول کی عبادت بھی نہیں ہو پاتی۔

اس بات پر تنبیہ ضروری ہے بلکہ بہت ضروری ہے؛ کیونکہ ہر مسلمان کی آخری غایت تو یہی ہوتی ہے کہ اس کا اللہ اس سے راضی ہوجائے اور آخرت میں اس کی خوشنودی اور اس کی نعمتیں حاصل ہوجائیں۔

دنیا میں آخرت کے اس مطلوبہ ہدف کو مرکزِ نگاہ و مرکزِ جدوجہد نہ بنانا خسارۂ دین و دنیا ہے، اگرچہ بظاہر زندگی کامیاب ہی ہو۔ میں نے بچپن سے مولانا مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحی کا تصوف مخالف لٹریچر پڑھا اور جماعت اسلامی کی تربیت میں زندگی گزاری ہے جس سے طبیعت میں گداز کا مادہ ماند پڑ گیا لیکن جماعت سے الگ ہوکر بھی اتنی طویل شعوری زندگی گزاری ہے کہ جماعت کی تربیت کو دوش نہیں دے سکتا۔ فکری انقلاب بھی واقع ہوا اور تربیت و تزکیہ و اصلاح کی اہمیت اُبھر کر سامنے آئی۔ اس کے لیے عملی کوششیں بھی کیں لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ اب آسرا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہے کہ چلیے کوشش تو کی۔ وہ چاہے تو قبول فرمالے ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

سبق اس میں میری اولاد، متعلقین اور قارئین کے لیے یہ ہے کہ تقرب الی اللہ کے لیے کثرتِ ذکر وعبادت کو آج معمول بناؤ۔ اسے بڑھاپے اور فرصت کے لیے نہ چھوڑو۔ بیماری اور بڑھاپے میں تو فرائض و واجبات بھی ادا نہیں ہو پاتے چہ جائیکہ آدمی کثرتِ عبادت و ذکر کا سوچے۔

کرونا میں تفویض الی اللہ

اسلام کے اصول بڑے سادہ، سنہری اور قابلِ عمل ہیں لیکن ہم اپنی بدقسمتی، بے عقلی اور غلط تعلیم وتربیت سے ان پر عمل نہیں کر پاتے۔ ان میں سے ایک سنہری اُصول تفویض الی اللہ کا ہے[1]

---

(1) اُفَوِّضُ اَمۡرِیۡ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ (غافر۴۰:۴۴)

یعنی جن اُمور میں نتائج ہمارے بس میں نہیں وہاں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو خوش دلی سے قبول کیا جائے بلکہ جہاں انسانی جدوجہد مطلوب ہو وہاں بھی محنت کر کے نتائج اللہ پر چھوڑ دیے جائیں تو انسان خوشی اور اطمینان کی زندگی گزار سکتا ہے۔

اس سلسلے میں میری زندگی کے چند تجربات اور واقعات:

- میرا خاندان ضلع گجرات میں کھاریاں کینٹ کے قریب 'بوریانوالی' گاؤں میں مقیم تھا۔ جوائنٹ فیملی سسٹم تھا۔ اس وقت تک الٹرا ساؤنڈ کا موجودہ نظام جس میں پہلے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ بیٹی ہوگی یا بیٹا، موجود نہ تھا بلکہ دائی ہی ولادت کے وقت بتاتی تھی۔ میری امی نے مجھے بتایا کہ تمہاری بھابھی (چند سال پہلے ان کا وضو کرتے ہوئے انتقال ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے) کے ہاں پانچویں بیٹی ہوئی ہے اور وہ ذرا آزُردہ ہے، تم بھی آؤ۔ میں غالباً اس وقت جہلم میں آئی کام کا طالب علم تھا۔ میں بھائی کے کمرے میں گیا بچی کو پیار کیا اور بیٹھ گیا ____ یاد رہے کہ میری بھابھی میرے ننھیال سے تھیں اور 'اہلِ سنت' مسلک رکھتی تھی لیکن گاؤں کی اکثریت چونکہ اہل حدیثوں کی تھی لہٰذا ماحول کا ان پر خاصا اثر تھا۔ گویا وہ بھی موحدہ تھیں اور اولادِ نرینہ کے لیے پیروں فقیروں اور عاملوں کے پاس جانا جہالت سمجھتی تھیں۔ میں اُن کی تسلی دلاسے کی باتیں کرتا رہا۔ جب میں اُٹھنے لگا تو میں نے کہا بھابھی! آپ جانتی ہیں میں سب سے چھوٹا ہوں اور آپ سے بھی کافی چھوٹا ہوں لیکن میرے دل میں ایک بات آئی ہے، اگر آپ برا نہ منائیں تو کہوں؟ کہنے لگیں: کہو۔ میں نے کہا کہ کسی ماں کا اولادِ نرینہ کی خواہش رکھنا بالکل فطری ہے۔ آپ ہر دفعہ 9 مہینے تک بیٹے کی آس رکھتی ہیں اور بیٹی ہونے پر آپ کی آس ٹوٹ جاتی ہے اور آپ کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اب آپ میرے کہنے پر نا کامی اور مایوسی کو قبول کر لیں اور بیٹے کی توقع کرنا چھوڑ دیں بلکہ اللہ سے بیٹے کی دُعا مانگنا بھی چھوڑ دیں اور یہ کہا کریں کہ: اے اللہ! میں آپ کی مشیت اور آپ کے فیصلوں پر راضی ہوں۔ آپ اگر مجھے دس بیٹیاں بھی دے دیں تو میں پھر بھی راضی ہوں۔ آپ میری اولاد کے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں، میں اس پر خوش ہوں۔

کہنے لگیں: اس سے کیا ہوگا؟ میں نے کہا: اگر آپ نے دل سے اس بات کو قبول کر لیا اور اس پر عمل کیا تو میرا وجدان کہتا ہے کہ اللہ آپ کو بیٹا دے گا۔ اس کے پاس بیٹوں کی کمی تھوڑی

ہے؟ کہنے لگیں: اچھا، میں ایسے ہی کروں گی۔ اور اگلے سال اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹے سے نواز دیا۔

میں نے جماعت اسلامی میں ایک ہی صوفی دیکھا ہے (ممکن ہے اور بھی ہوں لیکن میں تو اپنے علم کی حد تک کہہ رہا ہوں) اور ہمیشہ اس جمع بین الاضداد پر حیران ہوتا تھا۔ ڈاکٹر عبدالقیوم سعادت صاحب (اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں۔ چند سال پہلے لاہور میں فوت ہوئے)۔ انہوں نے طائف میں زندگی کا ایک بڑا حصہ گزارا۔ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ سے بیعت تھے۔ کچھ واقعات ایسے پیش آئے کہ لوگوں کو پتہ چل گیا کہ وہ مستجاب الدعاء ہیں۔ جماعت اسلامی کے الیکشن میں ہارنے پر (غالباً 1985ء میں) ہفت روزہ 'تکبیر' کراچی کے مدیر شہیر جناب صلاح الدین صاحب سے ڈاکٹر صاحب کا تحریری مناقشہ شروع ہو گیا جس میں تلخی آ گئی۔ ڈاکٹر عبدالقیوم سعادت نے انہیں مباہلے کا چیلنج دے دیا۔ میں یہ جان کر مضطرب ہوا۔ اس وقت ٹیلیفون اور موبائل کی سہولت اس طرح موجود نہ تھی جیسی آج ہے۔ میں انہیں خبردار کرنا چاہتا تھا کہ وہ ڈاکٹر صاحب سے ہرگز مباہلہ نہ کریں لیکن رابطہ نہ ہو سکا۔ 'تکبیر' کا اگلا شمارہ آیا تو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ صلاح الدین صاحب نے امالے سے کام لیا اور لکھا کہ ڈاکٹر صاحب! ہم دونوں جماعت کے خیر خواہ ہیں اور دینی مقاصد کے لیے اسے کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں۔ بس طریق کار پر اگر تھوڑا بہت اختلاف رائے ہو تو اس پر افہام و تفہیم سے کام لینا چاہیے۔ (بعد میں صلاح الدین صاحب نے مجھے بتایا کہ انہیں سعودی عرب سے کئی ٹیلیفون آئے کہ ڈاکٹر صاحب سے ہرگز مباہلہ نہ کرنا وہ مستجاب الدعاء ہیں)۔

ڈاکٹر صاحب ریٹائرمنٹ کے بعد جب مستقل لاہور آ گئے تو کچھ عرصہ منصورہ میں فری ڈسپنسری کھول لی۔ میری ان سے کئی دفعہ ریاض اور جدہ میں جماعت اسلامی کے حلقے میں ملاقات ہوئی تھی جہاں وہ کچھ عرصہ سعودی عرب کی جماعت اسلامی کے امیر تھے اور بڑی شفقت و محبت سے پیش آتے تھے۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کسی طرح ڈاکٹر صاحب سے اپنے مشن کے لیے خصوصی دعا کراؤں۔ میں نے پلاننگ کے ساتھ کوشش کی کہ ان سے ذرا قربت بڑھے۔ جب میں نے گنجائش دیکھی تو ایک دن کہا: ڈاکٹر صاحب! آپ سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔ ہفتے میں کسی دن اپنی سہولت سے آدھ گھنٹہ عنایت فرما دیں۔ کہنے لگے: میرے پاس کیا ہے؟ صرف

کچھ عرصہ بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔ بہرحال کچھ پس و پیش کے بعد وقت طے ہوگیا اور میں جمعرات کے دن عصر تا مغرب ان کے دولت خانے پر ماڈل ٹاؤن میں حاضری دیتا۔ حالانکہ ان کی اہلیہ فوت ہوچکی تھیں لیکن اس کے باوجود چائے بسکٹ کا خصوصی اہتمام فرماتے۔

کچھ نشستوں کے بعد ایک دن میں نے کہا: حضرت آپ میرے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ کہنے لگے کیا مسئلہ ہے؟ میں نے کہا: رُبع صدی ہوگئی محنت کرتے ہوئے نتیجہ نہیں نکلتا۔ تفصیل پوچھی۔ میں نے سارے حالات عرض کیے کہ سعودی عرب سے واپسی پر (1986ء میں) یہ سوچا تھا کہ اگر نظامِ تعلیم وتربیت کی اصلاح ہوجائے اور نسل نو کی تربیت کا نظام صحیح اسلامی خطوط پر استوار ہوجائے تو چلیے صحیح سمت میں قدم اُٹھنا شروع ہوجاتے، دین کا بھی فائدہ ہوتا اور مسلمانوں کو بھی لیکن کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ حکومت کو اس کام سے دلچسپی نہیں کہ امریکہ بہادر کا ڈر ہے۔ مذہبی فرقہ واریت اور تحزب زوروں پر ہے۔ ہر عالم ''حق'' کو اپنے مسلک و مشرب اور مکتب فکر تک محدود سمجھتا ہے اور جو اس سے باہر ہو معاشرے میں اس کے فکر و عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ مدارس بھی اپنے ڈھرّے سے ہٹنے کو تیار نہیں۔ جدید تعلیم کاروبار بن گئی ہے اور لوگ کروڑوں اربوں روپے تعلیم کے شعبے میں سرمایہ کاری کر رہے ہیں لیکن تعلیم و تربیت کے اسلامی تصور پر عمل کرنے کو کوئی تیار نہیں۔ دینی جماعتوں کو بھی اس میں دلچسپی نہیں اور ان کے لوگوں نے بھی اسے کاروبار بنا لیا ہے۔ ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ کم از کم ایک مدرسہ، سکول، کالج اور یونیورسٹی بطور ماڈل صحیح خطوط پر کام کرنے لگے تاکہ دوسروں کے لیے نمونہ اور انسپائریشن کا سبب بنے لیکن قوم کا کوئی طبقہ ساتھ دینے کو تیار نہیں۔

میں بولتا رہا اور وہ سنتے رہے۔ جب میں نے بات مکمل کر لی تو ان کی طرف دیکھ رہا تھا کہ کیا فرماتے ہیں۔ یاد رہے کہ ڈاکٹر صاحب پٹھان تھے، سرخ و سفید رنگ، اونچا قد، بھاری آواز اچانک ڈاکٹر صاحب کا رنگ غصے سے سرخ ہوگیا اور پھر یوں لگا جیسے وہ پھٹ پڑے ہوں۔ اونچی آواز میں کہنے لگے: تم خدا ہو؟ تم خدا بننا چاہتے ہو؟ تم خدا سے اپنی مرضی کے فیصلے لینے پر اصرار کرتے ہو؟ ____ میں تو ان کے جلال سے ڈر گیا لیکن وہ کافی دیر اس پر بولتے رہے۔ میں چپ کا چپ رہ گیا۔ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا ردّعمل دوں۔ جب میں واپسی کے لیے اٹھا تو کہنے لگے، میں تو

تمہیں سیانا آدمی سمجھتا تھا۔ اے بھلے مانس! بندے کا کام محنت کرنا ہے، نتائج اوپر والے کے ہاتھ میں ہیں۔ جو چیز تمہارے بس میں ہی نہیں اس پر قلق کیسا؟ تم خدا سے اپنی مرضی کے نتائج لینے پر اصرار کرنے کی بجائے یہ کیوں نہیں کرتے کہ اس کی رضا پر اور اس کے فیصلوں پر راضی ہو جاؤ؟ میں اُٹھ کے آ گیا اور دوبارہ ان کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

◐ وقت گزرتا رہا۔ میں محنت کرتا رہا اور ناکامیوں کا منہ دیکھتا رہا۔ میں کبھی اپنے اللہ سے مایوس نہیں ہوا اور ہمیشہ اس سے توفیق طلب کرتا رہا اور محنت کرتا رہا لیکن پوری شعوری مزاحمت کے باوجود چھوٹی چھوٹی ناکامیاں جمع ہو کر ڈھیر بنتی گئیں اور قلق و اضطراب کے تسلسل نے اعصاب کو توڑنا شروع کیا اور ANXIETY کے دورے پڑنے لگے۔

یہ چند ماہ پہلے کی بات ہے میں اپنے حالات پر پریشان غور کر رہا تھا کہ اچانک ڈاکٹر عبدالقیوم سعادت صاحبؒ یاد آ گئے۔ اور ان کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی۔ رات ہوئی تو میں نے مصلیٰ سنبھالا اور لگا بلکنے: اے اللہ! مجھے معاف فرما دیجیے۔ میں قصوروار ہوں۔ میں مانگتا تو آپ ہی سے رہا لیکن اصرار تو اپنی خواہشات کے پورا ہونے پر تھا، اگرچہ وہ خواہشات دینی ہی تھیں۔ میں نے کہا: اے اللہ جی! میں آپ کی رضا پر اور آپ کے فیصلوں پر راضی ہوں۔ اگر آپ کو منظور نہیں تو مجھ کو بھی منظور نہیں۔ میں آج کے بعد آپ سے اپنی دینی خواہشات پوری ہونے کی دعا بھی نہیں مانگوں گا۔ میں آپ سے صرف آپ کی رضا مانگتا ہوں اور صرف وہی مانگتا رہوں گا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے نبوی دعا "رَضِیتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَالْقَدرِ خَیرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ" اُٹھتے بیٹھتے شروع کر دی۔ چند دن نہ گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کشادگی کی ایک صورت پیدا فرما دی۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے پیش نظر دینی کاموں کے لیے مزید غیب سے مدد فرمائیں گے۔

◐ اور پچھلے ماہ مجھے کرونا نے آ جکڑا۔ ٹیسٹ ریزلٹ پازیٹو آیا تو مجھے یقین نہ آیا، توقع ہی نہ تھی۔ میں اسے روٹین کا زکام سمجھتا رہا جو مجھے الرجی کی وجہ سے ہوتا رہتا ہے۔ رات ہوئی تو میں نے مصلیٰ سنبھالا اور کہا: اللہ جی! میں آپ کی رضا پر اور آپ کے فیصلوں پر راضی ہوں۔ میری زندگی

اور میری موت، ظاہر ہے، میرے ہاتھ میں نہیں آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر آپ نے میری موت اس وبا میں رکھی ہے تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔ میں اس پر خوش اور مطمئن ہوں۔ میں آپ کی رضا پر اور آپ کے فیصلے پر راضی ہوں۔ اور اگر آپ نے میری موت اس وبا میں نہیں لکھی تو مجھے ایمان اور صحت والی زندگی عطا فرمایئے تاکہ جب تک زندہ رہوں اپنی مغفرت کے لیے اور آپ کے دین کی نصرت کے لیے حسبِ استطاعت ٹوٹا پھوٹا لگا رہوں اور اسی حالت میں موت آجائے۔ چنانچہ میں نے کرونا میں اپنے لیے صحت کی دُعا نہ کی بلکہ اس کے فیصلے پر راضی رہنے کی بات دہراتا رہا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہا۔ جب دیکھا کہ (اللہ کے فیصلے کی وجہ سے) روبصحت ہوں تو پھر صحت عاجلہ وشاملہ کی دعا بھی کرنے لگا کہ اس کے علاوہ کون ہے جس سے مانگا جائے؟ اور اس کے سوا کون ہے جو کسی کو کچھ دے سکتا ہے؟

حاصل یہ کہ دنیا میں خوشی، اطمینان اور کامیابی کی کلید ہے اللہ کی رضا پر راضی رہنا اور اس سے راضی ہو جانا اور اس سے اپنی منوانے کی بجائے اس کی ماننا۔ اور یہ کوئی راکٹ سائنس نہیں، نہ کوئی میری منفرد تحقیق ہے۔ یہ تو ایک سادہ سا دینی اصول ہے جس پر عمل کی طرف ہمارا دھیان نہیں جاتا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ

''اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جایا کرو''

موجودہ درسی کتابوں کے نقائص

ڈاکٹر محمد رفیع الدین
(بانی ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی لاہور)

ہمارے موجودہ نظامِ تعلیم میں سائنسی علوم یعنی طبیعیاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی علوم کی درسی کتابیں ناقص ہیں اور ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ذہنی نشو ونما کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتابیں ایسے مغربی مصنّفین کی لکھی ہوتی ہیں جن کا نقطۂ نظر کائنات اور انسان اور علم اور تعلیم کے متعلق، کم از کم جہاں تک ان کتابوں کی تالیف وتصنیف کا تعلق ہے، درست نہیں۔ ہم نے ان کتابوں کو سوچے سمجھے بغیر مغرب کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے اور ہر بات میں ان کی فوقیت کے دام میں مبتلا ہو کر اپنے ہاں نافذ کر رکھا ہے۔

مثلاً پہلے طبیعیاتی علوم کی درسی کتابوں کو لیجیے۔ ان علوم میں فزکس، کیمسٹری اور اسٹرانومی وغیرہ شامل ہیں اور ان سب کے لیے طبیعیات یا فزکس کا مختصر نام بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ان علوم کی درسی کتابوں میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ان کا مواد اس غلط مفروضہ یا عقیدہ پر مبنی ہے کہ صداقت صرف وہی ہے جسے ہم براہِ راست اپنے حواسِ خمسہ سے دریافت کر سکتے ہوں، جو چیز ہم اپنے حواسِ خمسہ سے دریافت نہیں کر سکتے وہ یا تو موجود ہی نہیں یا پھر اگر موجود ہے تو اسے ہم جان نہیں سکتے؛ لہٰذا وہ معدوم کے حکم میں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مفروضہ میں خدا اور خودی اور ان کی صفات کا انکار شامل ہے۔ لیکن اس مفروضہ کے غلط ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ یہ خود اپنی تردید کرتا ہے۔ اگر یہ مفروضہ فی الواقع صحیح ہے اور سچائی پر مبنی ہے تو ہم اسے ایک صداقت

قرار نہیں دے سکتے کیونکہ اس مفروضہ کو کسی شخص نے براہِ راست حواسِ خمسہ سے دریافت نہیں کیا بلکہ یہ ایک عقیدہ یا مفروضہ ہے، اور یہ مفروضہ اپنی تردید خود کر دیتا ہے۔مغرب کے علمائے طبیعیات اس مفروضہ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ طبیعیات کو کسی ایسے عقیدہ سے آغاز نہیں کرنا چاہیے جو سائنسی طریقوں سے یعنی براہِ راست حواسِ خمسہ کے مشاہدہ سے ثابت شدہ نہ ہو۔لیکن ان کا یہ اصول خود ایک عقیدہ ہے جو سائنس کے طریقوں سے ثابت شدہ نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا عقیدہ پہلے موجود ہوتا ہے اور ان کی سائنسی تحقیق بعد میں پیدا ہوتی ہے، لہٰذا ان کی سائنسی تحقیق اس عقیدہ کو ثابت نہیں کرتی بلکہ ان کا یہ عقیدہ ان کی سائنسی تحقیق کی تشکیل کرتا ہے۔اس طرح سے جب مغربی مفکر مابعد الطبیعیات اپنی سائنسی تحقیق کو اس عقیدہ سے شروع کرتا ہے کہ سائنسی تحقیق کو کسی عقیدہ سے شروع نہیں ہونا چاہیے' تو وہ اپنی تردید خود کرتا ہے اور اس بات کا ثبوت بھی بہم پہنچاتا ہے کہ جس عقیدہ سے وہ اپنی سائنس شروع کرتا ہے وہ غلط ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مغربی سائنس دان اپنی سائنس کو ایک عقیدہ سے ہی شروع کرتا ہے لیکن آخر مغرب کے سائنس دان یہ کہنے کے باوجود کہ سائنس کو کسی عقیدہ سے آغاز نہیں کرنا چاہیے اس بات پر مجبور کیوں ہیں کہ اپنی سائنس کا آغاز ایک عقیدہ سے کریں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان فقط محبت کا ایک جذبہ ہے اور محبت کسی مقصود یا مطلوب کے عمدہ یا حسین ہونے کے عقیدہ کا دوسرا نام ہے لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان کا کوئی فعل ایسا بھی ہو جو کسی عقیدہ پر مبنی نہ ہو مثلاً ہر فعل سے پہلے اس کا فاعل یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کا یہ فعل فلاں مقصد کو حاصل کرے گا اور اس کو انجام دینے کا فلاں طریقہ عمدہ اور حسین ہے اور یہ عقیدہ اگرچہ معمولی سا نظر آتا ہے لیکن آخر کار حقیقت کائنات کے کسی تصور سے یا کسی نظریۂ زندگی سے ماخوذ ہوتا ہے۔سائنسی تحقیق بھی چونکہ ایک انسانی فعل ہے وہ اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں اور ممکن نہیں کہ وہ اس عقیدہ سے آغاز نہ کرے۔

یہاں یہ سوال کیا جائے گا کہ مغربی ماہرین طبیعیات کا یہ مفروضہ کہ صداقت وہی ہے جس کا مشاہدہ ہم براہِ راست حواسِ خمسہ سے کرتے ہیں اگر سائنسی طریقوں سے ثابت شدہ نہیں تو پھر اس کی عقلی اور علمی بنیاد کیا ہے اور اسے کس بنا پر سائنسی تحقیق کا راہ نما عقیدہ بنا دیا گیا ہے۔ حیرانی کی بات تو یہی ہے کہ اس کی عقلی اور علمی بنیاد کوئی نہیں اور پھر بھی مغرب کے ماہرین طبیعیات

نے اسے طبیعیات کی علمی اور عقلی جستجو کی راہ نمائی کرنے والے ایک عقیدہ کا مقام دے دیا ہے۔ یہ مفروضہ دراصل بعض لوگوں کے گٹھ جوڑ کا باہمی سمجھوتہ تھا جو مذہب عیسائیت کی ضرورتوں اور مصلحت اور سیاست کے بعض تقاضوں کی بناپر عمل میں لایا گیا تھا اوراس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ سائنس اور سائنسدانوں کو کلیسا سے بچانے کے لیے بعض بہانوں سے خدا کے عقیدہ کو جو پہلے سائنس میں موجود تھا' سائنس سے خارج کر دیا جائے۔ مغرب کے علمی حلقوں میں بھی اب یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے سائنس کا مخصوص طریق تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی وہ اسپین کے مسلمان تھے اور یہ لوگ سائنس کے موجد اس لیے بنے تھے کہ ان کے لیے قرآنِ حکیم کا ارشاد تھا کہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ کر کے خدا کو پہچانو۔ چنانچہ انہوں نے خدا کی معرفت کی جستجو میں مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا اور ان سے جو نتائج حاصل کیے ان کو ضبط تحریر میں لائے۔ آج ہم اسی قسم کے نتائج کو سائنس کا نام دیتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے ان پہلے سائنس دانوں کی سائنس خدا کے عقیدہ سے پیدا ہوئی تھی لہٰذا خدا کا عقیدہ اس کا مدار ومحور تھا۔لیکن جب ہسپانوی مسلمانوں کے حالات نے پلٹا کھایا اور وہ اسپین سے نکلنے پر مجبور ہوئے تو سائنس ان لوگوں کے ہاتھ آئی جو پولوسیت (PAULISM) یا جدید عیسائیت کے پیرو تھے۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ دین اور دنیا الگ الگ چیزیں ہیں۔ دین پاک اور مقدس ہے اور دنیا ناپاک اور غیر مقدس؛ لہٰذا سائنس جو دنیا سے تعلق رکھتی ہے' دین سے الگ راستہ نکالتی ہے اور دین کو خراب کرتی ہے لہٰذا اہل کلیسا نے سائنس اور سائنس دانوں کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان برپا کر دیا اور سائنسدانوں نے اپنا بچاؤ اسی میں سمجھا کہ سائنس سے خدا کا عقیدہ نکال کر اس کو ایک خالص دنیاوی اور پلید قسم کی کارروائی کا درجہ دے دیں تو پھر اس کے خلاف کلیسا کو شکایت کا موقع نہیں رہے گا۔

اسی اثنا میں کلیسا اور ریاست کے افتراق نے اسے ایک شدید سیاسی ضرورت بنا دیا۔ کیونکہ ممکن نہیں تھا کہ پوپ کے اثر ونفوذ کو سائنسی علوم اور مکتب کے چور دروازہ سے داخل ہو کر بادشاہ کے کام میں دخل انداز ہونے کی اجازت دی جاتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کی درسی کتابوں سے خدا کا عقیدہ خارج کر دیا گیا۔ سائنس کی بے خدائیت کو ایک علمی رواج اور فیشن کی شکل دینے کا

نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے سائنسدانوں اور فلسفیوں نے نادانستہ اور غیر شعوری طور پر اپنے استدلال پر جبر کرنا شروع کر دیا اور قدرتی بے ساختہ اور معقول استدلال کے جس راستہ پر انہیں خدا کا تصور دور سے سامنے نظر آتا وہ اپنے استدلال کو بزور اس راستہ سے ہٹا کر ایک اور راستہ پر ڈال دیتے تاکہ خدا کا تصور راستہ میں آنے نہ پائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب انیسویں صدی کے نظریۂ مادیت اور ڈارون کے نظریۂ ارتقا ایسے سائنسی نظریات سائنس کی بے خدائیت کے رواج کے مطابق ڈھلنے لگے تو لوگ رفتہ رفتہ بھول گئے کہ یہ رواج ایک مذہبی عقیدہ پر اور ایک مصلحت اور سیاسی ضرورت پر مبنی ہے اور اس کی عقلی اور علمی بنیاد کوئی نہیں اور غلطی سے یہ سمجھنے لگے کہ یہ سائنس ہی کی ایک ضرورت ہے اور آج تک ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ انیسویں صدی کی مادیت اور ڈارون کے میکانکی نظریۂ ارتقا کو بھی اب نئے حقائق نے روند ڈالا ہے۔ اگر حسی صداقت کا مفروضہ مغربی سائنسدانوں کا کوئی علمی اصول ہوتا اور محض خدا کے عقیدہ کے خلاف ان کے گٹھ جوڑ کا نتیجہ نہ ہوتا تو وہ ہر غیر حسی صداقت کو مسترد کر دیتے۔ لیکن وہ اس اصول کو کام میں لا کر صرف خدا ہی کے تصور کو ردّ کرتے ہیں اور باقی ہر صداقت کو جو ثابت ہو سکے خواہ وہ براہِ راست مشاہدہ میں آئے یا نہ آئے قبول کرتے ہیں اور اس طرح سے ثابت کرتے ہیں کہ ان کا یہ مفروضہ غلط ہے۔ صداقت وہی نہیں جسے ہم براہِ راست اپنے مشاہدہ سے معلوم کریں بلکہ وہ بھی ہے جسے ہم براہِ راست مشاہدہ سے تو معلوم نہ کر سکیں لیکن اس کے اثرات اور نتائج کو براہِ راست مشاہدہ سے معلوم کر سکیں۔ اس کی مثال ایٹم ہے۔ ایٹم کا جس قدر علم سائنس دانوں کو آج تک حاصل ہوا ہے وہ اس کے براہِ راست مشاہدہ پر نہیں بلکہ اس کے آثار و نتائج کے مشاہدہ پر اپنا دارو مدار رکھتا ہے۔ خدا کا وجود بھی ایک ایسی ہی حقیقت ہے جس کا علم ہم اس کے براہِ راست مشاہدہ سے حاصل نہیں کرتے بلکہ مظاہر قدرت کی صورت میں اس کے آثار و نتائج کے مشاہدہ سے حاصل کرتے ہیں۔ اگر مغرب کے سائنسدان ایٹم کے آثار و نتائج کے مشاہدہ سے ایٹم کو ایک سائنسی حقیقت سمجھتے ہیں تو مظاہر قدرت میں خدا کے آثار و نتائج کے مشاہدہ سے خدا کو ایک سائنسی حقیقت کیوں نہیں سمجھتے؛ اس کی وجہ سائنس کی بے خدائیت کا وہی پُرانا نامعقول رواج، خدا کے تصور سے وہی پرانا ڈر اور اس کے خلاف وہی پرانا تعصب ہے جو کلیسا کی سائنس دشمنی سے پیدا ہوا تھا۔

جس چیز نے طبیعیات کے علم کو ممکن بنایا ہے وہ یہ ہے کہ طبیعیاتی مظاہر قدرت میں ایک نظم یا ORDER پایا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نظم ایک ایٹم میں، ایک سالمہ میں، ایک کرسٹل میں، برف کے ایک گالہ میں، نظامِ شمسی میں بلکہ ہر مادی مظہر قدرت میں موجود ہے اور یہ نظم اس قدر نپا تُلا ہے کہ ہم اسے ہمیشہ ریاضیاتی اعداد و رموز میں بیان کر سکتے ہیں۔ اس کنکری کی بڑھتی ہوئی رفتار بھی جو ایک اُونچے مکان کی چھت سے نیچے گرائی گئی ہو اور لوہے کہ اس سلاخ کی بڑھتی ہوئی طوالت بھی جسے گرم کیا جا رہا ہو' ریاضیات کے ایسے اٹل قوانین سے مطابقت رکھتی ہے جو کائنات میں اس وقت بھی اپنا کام کر رہے تھے جب ہنوز دنیا میں کوئی ریاضیات جاننے والا بلکہ کوئی انسان اور کوئی متنفس بھی موجود نہ تھا۔ ان قوانین کو کس ذہن نے سوچا تھا؟ جدید طبیعیات کی تحقیق کے مطابق مادہ فنا ہو جاتا ہے اور اگر کائنات کو برقرار رکھتے ہوئے اُسے رفتہ رفتہ کائنات سے نکال دیا جائے تو مادی مظاہر قدرت کے اندر جو چیز باقی رہ جائے گی وہ کچھ خیالی ڈھانچے اور کچھ ریاضیاتی نسبتیں ہوں گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس لازوال اور اٹل ریاضیاتی نظم کو سوچنے والا ذہن ہی مادی مظاہر قدرت کی بنیادی حقیقت ہے۔ اگر ان میں یہ نظم موجود نہ ہوتا یا زمان و مکان کے لحاظ سے وہ ہر وقت اور ہر جگہ مسلسل اور یکساں نہ ہوتا تو طبیعیات کی سائنس ممکن نہ ہوتی۔ ماہر طبیعیات کا کام یہی ہے کہ وہ ان مظاہر قدرت میں نظم دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جب کسی مظہر قدرت میں یہ نظم دریافت کر لیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس کی سائنس ایک قدم اور آگے بڑھ گئی ہے اور جب دریافت نہیں کر سکتا تو سمجھتا ہے کہ ابھی اس کی سائنس اس سمت میں ترقی نہیں کر سکتی۔

لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ قدرت میں نظم کی موجودگی کسی دارائے علم و حکمت اور اختیار و قدرت رکھنے والے ذہن یا شخصیت کی تخلیقی کارروائی کی معتبر علامت ہے۔ اگر مکئی کے کچھ دانے سڑک پر بکھرے ہوئے ہوں تو آپ کہہ سکیں گے کہ شاید وہ سڑک پر جانے والے کسی چھکڑے سے اتفاقاً گر گئے ہیں۔ لیکن اگر وہی دانے ایک باقاعدہ ہشت پہلو ریاضیاتی شکل میں آراستہ ہوں تو آپ فوراً کہیں گے کہ یہ کسی ایسے ذہن کی تخلیق ہے جو ریاضیاتی انداز میں سوچ سکتا ہے اور حسن اور کمال کا ذوق رکھتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ کسی ایسے جنگل میں جا رہے ہوں جس کے متعلق یہ بات مشہور ہو کہ اس میں آج تک کسی انسان نے قدم نہیں رکھا اور آپ اچانک کسی

خوبصورت جھونپڑی کے پاس آ نکلیں جس کے صحن میں سبزہ اور پھولوں کی کیاریاں بھی ہوں تو آپ فوراً کہیں گے کہ یہ کسی ذہن یا شخصیت کی تخلیقی کارروائی کا نتیجہ ہے اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ اس جنگل میں کبھی کوئی انسان نہیں آیا۔ ظاہر ہے کہ نظم کے اندر مقصد بھی شامل ہے کیونکہ نظم کی تخلیق اور تکمیل خود ایک مقصد ہے اور مقصد ایک شخصیت ہی کا خاصہ ہوسکتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ طبیعیات کا محقق اپنے مشاہدہ اور مطالعہ قدرت سے نظم کی جستجو کر کے اور اسے دریافت کر کے یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ یہ کس کا ذہن ہے اور یہ کون سی شخصیت ہے جس کی تخلیقی کارروائی اور مقصدیت مادی کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں آشکار ہے۔ اس سوال کا عقلی اور علمی جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جو تخلیق کی قدرت اور علم اور حکمت اور حسن اور کمال کی محبت کے اوصاف رکھتا ہے اور چونکہ اس کا پیدا کیا ہوا نظم ہر جگہ اور ہر وقت ایک ہی رہتا ہے لہٰذا خالق کائنات ایک ہی ہے۔ یہ سوال چونکہ طبیعیات کی درسی کتاب پیدا کرتی ہے اس کا جواب بھی درسی کتاب ہی کو دینا چاہیے، کسی اور کتاب کو نہیں۔ لیکن مغرب کا ماہر طبیعیات اس سوال کا جواب دینے سے گریز کرتا ہے بلکہ اس کا نوٹس ہی نہیں لیتا اور اس کی وجہ وہی سائنس کی بے خدائیت کا نامعقول رواج ہے۔ لیکن ہمیں اس رواج کی پابندی کرنے کی ضرورت نہیں ہمیں چاہیے کہ ہم طبیعیاتی علوم کی درسی کتابوں کو نئے سرے سے اس طرح لکھیں کہ جہاں جہاں ہم نظم کے ثبوت پر پہنچیں وہاں اس نظم کو خالق کائنات کی تخلیقی کارروائی کی ایک شہادت کے طور پر بیان کریں اور اس کا کوئی ایک موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیں تاکہ طالب علم کے دل میں خدا کی محبت کا جوہر پیدا ہو اور اپنے کمال کو پہنچے۔

اب حیاتیاتی علوم کی درسی کتابوں کی طرف آئیے۔ ان علوم میں زوآلوجی اور باٹونی وغیرہ شمار کیے جاتے ہیں۔ ان علوم کی درسی کتابوں کا مواد بھی حسی صداقت کے نامعقول مفروضہ سے دبا ہوا ہے حالانکہ حیاتیاتی مظاہرِ قدرت میں نظم اور مقصد کے اوصاف جو کسی خلاّق علیم کی تخلیقی کارروائی کی معتبر علامت ہوتے ہیں، مادی مظاہر قدرت سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔ ایک سیل (CELL) یا خلیہ نظم اور مقصدیت کا حیرت انگیز شاہکار ہے۔ اسی طرح سے ایک زندہ جسم حیوانی اور اس کا ہر عضو صرف آنکھ اور کان کی تخلیق میں علم، حکمت اور قدرت کے جو کمالات

بروئے کار آتے ہیں ان پر ایک بڑی کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ایک زندہ جسم حیوانی کے اندرونی حیاتیاتی وظائف مثلاً عمل انہضام اور اس کی حیاتیاتی کیمیا، حیاتین اور ذناقین کی تیاری، دورانِ خون، سانس کی آمد ورفت، تناسل، ایک خاص طے شدہ جسمانی شکل کی جانب حیوان کی خودکارانہ نشوونما، اس کے اعضائے رئیسہ کا خودکارانہ عمل، زخموں کا خودبخود بھرنا اور بیماریوں کے خلاف صحت بحال کرنے والا خودبخود ظہور پذیر ہونے والا ردعمل: ان میں سے ہر وظیفہ ثابت کرتا ہے کہ حیوان کی پیدائش اور نشوونما ایک ایسے ذہن کے قادرانہ اور حکیمانہ تصرف میں ہے جو خود حیوان کا ذہن نہیں لہٰذا حیاتیات کی درسی کتابوں کا مواد بھی یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ یہ ذہن کس کا ہے؟ اور اس سوال کا عقلی اور علمی جواب بھی یہی ہے کہ کسی قادرِ مطلق خالق کائنات کا۔ لیکن یہاں مغرب کا درسی کتاب لکھنے والا پھر اس سوال کے جواب میں خاموش رہتا ہے۔ وہ یا تو حیاتیاتی مظاہر قدرت میں نظم اور مقصد کی موجودگی بالکل تسلیم ہی نہیں کرتا یا اگر تسلیم کرتا ہے تو اس طرح سے کہ کسی خالق کائنات کا تصور اس کی درسی کتاب میں راہ نہ پا سکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ ارتقاء کو جو خالق کائنات کی عالمگیر ربوبیت کا ایک شاندار اور یقین افروز مظہر ہے' قدرت کی بے جان اور بے مقصد میکانکی قوتوں کی اندھا دھند کارروائی کا اتفاقی نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اگر اس کی بات کو صحیح مانا جائے تو یہ بھی طالب علم کو ماننا پڑتا ہے کہ اگر قدرت کی یہی بے بصر قوتیں کسی اور طرح سے کام کرنے لگ جائیں تو ممکن ہے کہ آج جو انسان ہے وہ انسان نہ ہوتا بلکہ گندگی میں رینگنے والا کوئی کریہ المنظر کیڑا ہوتا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم حیاتیاتی علوم کی درسی کتابوں کو خود نئے سرے سے اس طرح لکھیں کہ حیاتیاتی مظاہر قدرت کے اندر نظم اور مقصد کی تشریح کرتے ہوئے اسے خدا کی تخلیقی کارروائی کا نتیجہ قرار دیں اور ایسا کرنے کے لیے ہر موقع سے جو درسی کتاب کے مضمون کے اندر پیدا ہو' فائدہ اُٹھائیں۔

نفسیاتی یا انسانی علوم میں مغرب سے مانگی ہوئی درسی کتابوں کے نقائص اور بھی زیادہ نمایاں اور افسوسناک ہیں ان میں وہ تمام علوم شامل ہیں جو انسان کے انفرادی اور اجتماعی اعمال کی حقیقت سے بحث کرتے ہیں۔ مثلاً فلسفۂ سیاست، فلسفہ اخلاق، فلسفہ اقتصادیات، فلسفہ قانون فلسفہ تعلیم، فلسفہ ہنر، فلسفہ تاریخ، نفسیات فرد اور نفسیات جماعت وغیرہ۔ ان کو نفسیاتی علوم اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ انسانی اعمال کے علوم ہیں اور انسانی اعمال کی جڑ انسان کی فطرت یا اس کی

نفسیات میں ہے۔

مغرب میں یہ علوم محض بے ربط اور پراگندہ خیالات کے مجموعے ہیں اوران کی حالت اس قدرت خراب ہے کہ بعض مغربی حکما ان کو علوم کے معزز نام سے یاد کرنا بھی جائز نہیں سمجھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی حکما کو انسان کی فطرت کا ہی علم نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ انسانی افعال کا سرچشمہ اوران کا مقصد اور مدعا کیا ہے۔ان علوم کی خراب حالت کے متعلق خود کچھ کہنے کی بجائے میں آپ کے لیے مغرب کے ایک نامور ماہر نفسیات میکڈوگل کی کتاب ''انتشارِ عالم'' (WORLD CHAOS) سے ایک اقتباس نقل کرتا ہوں:

''فطرتِ انسانی کے بارہ میں ہماری لاعلمی اب تک تمام انسانی اوراجتماعی علوم کی ترقی کے لیے سدراہ بنتی رہی ہے اوراب بھی بنی ہوئی ہے۔ یہ علوم ہمارے زمانہ کی ایک شدید ضرورت کا درجہ رکھتے ہیں۔ان کے بغیر ہماری تہذیب زوال بلکہ شاید مکمل تباہی کے شدید خطرہ کا سامنا کر رہی ہے۔ ہم علم نفسیات، علم اقتصادیات، علم سیاسیات، قانون، معاشرت اوراس کے علاوہ اور بہت سے فرضی علوم کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ لیکن سیدھی سادی حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام دل کش نام فقط ہمارے علم کے خلاؤں کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ فقط ان کے وسیع وعریض بے آباد صحراؤں کی واضح نشان دہی کرتے ہیں جن کی سیاحت ابھی تک نہیں کی گئی۔لیکن یہ صحرا وہ ہیں کہ اگر ہماری تہذیب نے زندہ رہنا ہے تو ہمیں ان کو کسی قاعدہ کے تحت لانا ہی پڑے گا۔میرا اِدّعا یہ ہے کہ اپنی تہذیب کے توازن کو بحال کرنے کے لیے ہمیں انسان کی فطرت اور سوسائٹی کی زندگی کا علم (منظّم کیا ہوا آراستہ کیا ہوا علم یا سائنسی علم) اس سے بہت زیادہ درکار ہے جو ہمیں اب تک حاصل ہوا ہے۔لہٰذا یہ ہے وہ ایک ہی طریق کار جس سے ہم اپنی تہذیب کو موجودہ غیر یقینی اوردن بدن زیادہ خطرناک ہونے والی حالت کا مداوا کر سکتے ہیں۔ہمیں اپنے انسانی اوراجتماعی علوم کو پوری کوشش کے ساتھ ترقی دے کر فطرت انسانی اوراس کی فعلیتوں کے سچ مچ کے علوم کی شکل دینی چاہیے۔انسانی اوراجتماعی علوم کی بنیاد دریافت کرنے اوران کے طریق ترتیب وتدوین کو بہم پہنچانے

کی ضرورت آج اتنی شدید ہے کہ پہلے کبھی نہ تھی۔ تو پھر علمی نقطۂ نظر سے علاج کیا نکلا، میں اپنے جواب کو مختصر طور پر پیش کرنے کے لیے یہ بتاؤں گا کہ اگر میں ڈکٹیٹر ہوتا تو کیا کرتا ......میں ہر ممکن طریق سے اس بات کی کوشش کرتا کہ ہمارے بہترین دماغوں کو طبیعیاتی علوم سے ہٹا کر انسانی اور اجتماعی علوم میں تحقیق کے کام پر لگا دیا جائے۔'' (انتشارِ عالم، صفحات 115,112,59,9)

حکمائے مغرب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کی فطری خواہشات میں سے ایک خواہش ایسی ہے جو اس کے تمام اعمال کی قوت محرکہ ہے جو اس کی دوسری تمام خواہشات پر اور تمام اعمال پر حکمران ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام سیاسی، اخلاقی، اقتصادی، علمی، فنی، قانونی، جنگی اعمال اس خواہش کے مظاہر ہیں اور جب تک ہم اس خواہش کو نہ جانیں ہم ان اعمال میں سے کسی عمل کو نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اس کا کوئی فلسفہ لکھ سکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ مغرب کے حکماء نے آج تک ان اعمال کے جو فلسفے لکھے ہیں وہ انسان کی اس خواہش کو جانے کے بغیر لکھے ہیں جو اس کے اعمال کی قوت محرکہ ہے۔ لہٰذا اگر یہ فلسفے خود ان کو مطمئن نہ کر سکیں اور ان کے اپنے خیالات کے مطابق بے ربط خیالات کے پلندے ہوں تو اس میں تعجب کی بات کوئی نہیں۔

مغرب کے حکماء کی نگاہ ابھی تک اس حقیقت پر نہیں پڑی کہ انسان کے اعمال کی قوت محرکہ نصب العین کی محبت ہے جو فقط خدا کے نصب العین سے مکمل اور مستقل طور پر مطمئن ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حسی صداقت کا مفروضہ ان کے آڑے آتا ہے اور وہ کسی ایسی صداقت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ خدا کے تصور کو علم کے اندر لانے پر مجبور ہو جائیں۔ لیکن ہمیں کون سی چیز مانع ہے کہ ہم ان انسانی اور اجتماعی علوم کی درسی کتابوں کو اس حقیقت کی روشنی میں نئے سرے سے لکھیں کہ خدا کی محبت انسان کے اعمال کی اصلی قوتِ محرکہ ہے اور جب ایک انسان خدا کو نہ جانتا یا نہ سمجھتا ہو تو وہ اپنے اس جذبہ محبت کی تشفی کسی غلط نصب العین کی محبت سے کرتا ہے اور اس کی طرف خدا کی صفات منسوب کرتا ہے تا کہ اپنی غلطی کو مکمل کر کے اپنے اس جذبہ کی مکمل تشفی کا اہتمام کرے۔ (بشکریہ سہ ماہی حکمت قرآن، لاہور، جولائی تا ستمبر 2012ء)

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا

ابو فیصل محمد منظور انور

1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عرب ممالک کی شکست اور اکثر عرب ممالک کے علاقوں پر اسرائیلی قبضے کے بعد یہ بات عیاں ہوگئی تھی کہ اب یہودی مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو کے منصوبہ پر عمل پیرا ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تھوڑے وقفے کے بعد زور وزبردستی کے ساتھ فلسطینی علاقوں پر قابض ہوتے رہے۔ بدطینت یہودی اپنے ظالمانہ منصوبے کو تکمیل کے لیے کبھی دنیا میں امن وچین کی فضا قائم نہیں ہونے دیتے یہی ان کی تاریخ ہے۔

فلسطینیوں کے خلاف حالیہ اسرائیلی ظالمانہ اقدامات سے لگتا ہے کہ اب بیت المقدس کو شہید کرنے کا باقاعدہ آغاز ہو چکا ہے۔ اقوامِ متحدہ میں بیٹھی بڑی عالمی طاقتوں نے اس سلگتے ہوئے اہم عالمی مسئلہ پر ہمیشہ منافقت کی پالیسی اختیار کیے رکھی۔ نتیجے میں اسرائیل کی حوصلہ افزائی ہوتی رہی اور اس نے بڑی بے دردی کے ساتھ مظلوم نہتے فلسطینیوں کا قتل عام جاری رکھا۔ 27 ویں رمضان المبارک کو اسرائیلی فورسز نے مسجد اقصیٰ پر حملہ کر دیا فائرنگ اور شیلنگ کے نتیجے میں بیسیوں نمازی شہید ہو گئے اور سینکڑوں شدید زخمی ہوئے۔ جواباً حماس کی طرف سے اسرائیلی شہروں پر کچھ راکٹ فائر ہونے پر اسرائیل نے حسب عادت بین الاقوامی قوانین کو جوتے کی نوک پر رکھا اور جارحیت کی انتہا کرتے ہوئے غزہ میں فلسطینی شہری آبادیوں پر شدید بمباری کی، جس میں ہسپتالوں، جامعات، میڈیا ہاؤسز اور شہری آبادیوں کو نشانہ بنایا۔ 85 بچے، 34 خواتین سمیت

250 سے زائد مسلمان جاں بحق ہوئے اور 1500 سے زائد افراد زخمی ہوگئے ہیں۔ یہودی طیاروں نے بین الاقوامی قوانین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اندھادھند میزائل داغ کر میڈیا کے دفاتر کو مکمل طور پر تباہ وبرباد کر دیا تا کہ اقوام عالم کو یہودی مظالم سے آگاہی نہ ہوسکے۔ غزہ کے اکثر علاقوں میں بجلی بند ہوگئی اور دیگر انفراسٹرکچر تباہ ہوگیا۔ اپنی جانیں بچانے کے لئے ہزاروں فلسطینی خاندان نقل مکانی پر مجبور ہوگئے۔ ایک اطلاع کے مطابق 60 ہزار فلسطینی در بدر ہو چکے ہیں۔ لد شہر کے یہودیوں کی مسلم قبرستان میں قبروں کی بے حرمتی کی خبریں بھی زیر گردش ہیں۔

اگرچہ اسرائیل نے نہتے فلسطینیوں پر گیارہ دن مسلسل بمباری کے بعد عیارانہ طور پر جنگ بندی کا اعلان کر دیا ہے مگر فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی جارحیت کا سلسلہ بدستور جاری ہے جسے پوری دنیا بے بسی کے ساتھ دیکھ رہی ہے۔ اس ظلم وبربریت پر ترک صدر طیب اردگان نے پوپ فرانسس سے فون پر رابطہ کر کے اسرائیل پر پابندیاں لگانے کا مطالبہ کر دیا۔ چونکہ امریکہ اسرائیل کا سرپرست اعلیٰ ہے اس لئے اس نے اسرائیل اور فلسطینیوں کے مابین بڑھتی ہوئی کشیدگی کو روکنے کی بجائے پہلے اس نے سلامتی کونسل کا اجلاس مؤخر کروایا اور یو این او کی سلامتی کونسل میں حسب سابق (عادت) ایک ہفتے میں 3 دفعہ فلسطین کے مسئلے پر ویٹو کر کے یہ مسئلہ ڈسکس ہی نہ ہونے دیا اور اپنے ناجائز بغل بچے اسرائیل کو بچا کر تحفظ فراہم کیا تا کہ اسرائیل فلسطینیوں پر اپنے مظالم جاری رکھے۔ اسی پر بس نہیں کی بلکہ امریکی صدر جو بائیڈن نے اسرئیل کو 735 ملین ڈالر کا جدید ترین اسلحہ بیچنے کی منظوری دے دی جس میں گائیڈڈ ویپن بھی شامل ہیں۔ یہ اسلحہ نہتے محصور فلسطینیوں اور پڑوسی مسلم ممالک کے خلاف استعمال ہوگا۔ امریکی صدر کے اس فیصلے پر چند کانگریسی ارکان کی تنقید بھی سامنے آئی۔ امریکی ڈیموکریٹ رکن کانگریس رشیدہ طلیب اور الہان عمر نے فلسطینیوں پر مظالم پر کانگریس میں بڑی جذباتی تقریریں کیں اور آبدیدہ ہوکر اپنے شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ اسلامی دنیا سمیت دنیا بھر میں اسرائیلی جارحیت کے خلاف احتجاج کا سلسلہ شروع ہوگیا تو مسلم ممالک کی تنظیم او آئی سی نے یہ معاملہ بس ایک قرارداد منظور کر کے اور اقوام متحدہ سے حملے رکوانے کا مطالبہ کر کے نمٹا دیا۔

اسرائیل کا طریقہ واردات کچھ ایسا ہے کہ ہر سال دو سال بعد وہ فلسطین کے کچھ علاقوں

پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے فلسطینی مزاحمت کرتے ہیں ان کا میڈیا پروپیگنڈا کر کے اس کو سیلف ڈیفنس دکھاتا ہے اور امریکہ ان کو اقوامِ متحدہ میں تحفظ دیتا ہے تب تک یہودی اپنا کام پورا کر لیتے ہیں۔ اس دفعہ بھی یہی ہوتا رہا مگر اس بار دنیا بھر سے اسرائیل کو مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا کہ مختلف ملکوں سے اسرائیل کے خلاف عوام سڑکوں پر نکل آئے۔ تاہم یورپ کے کئی ممالک اور امریکی حکمرانوں نے اسرائیل کا ساتھ دیا۔ جب ان ممالک میں عوام کی ایک بڑی تعداد اسرائیلی جارحیت کے خلاف احتجاج کرنے باہر نکلی تو یورپی یونین کو اپنا ہنگامی اجلاس بلانا پڑ گیا۔ ترکی، پاکستان اور فلسطین کی درخواست پر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا اجلاس بلایا گیا جس میں ترکی اور پاکستان نے فلسطین کا کیس اٹھایا۔ جس میں پاکستان نے جرات مندانہ موقف اختیار کرتے ہوئے اپنا احتجاج ریکارڈ کروایا ہے۔

اب وقت آ گیا ہے کہ اقوام عالم فلسطینیوں پر اسرائیل کے مظالم کو روکیں اور اسرائیل کی پشت پناہی کرنے والوں کو بھی دیکھنا ہوگا کہ اسرائیل اس وقت جنگی جرائم کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اسرائیل کے خلاف جنگی جرائم کے تحت مقدمہ چلنا چاہیے۔ فلسطین میں اسرائیلی جارحیت کوئی نئی بات نہیں یہ سلسلہ تو اس ناجائز یہودی ریاست کے قیام سے ہی جاری ہے۔ پچھلے 15 سالوں سے فلسطین کے علاقوں غزہ اور مغربی کنارے کا محاصرہ جاری ہے۔ فلسطین وہ بدقسمت محصور ریاست ہے جس کا کوئی اپنا ائیرپورٹ یا بحری راستہ نہیں یہاں تک کہ فلسطینی سمندری حدود میں مچھلیاں تک نہیں پکڑ سکتے۔ ان کا کسی بھی پڑوسی ملک سے زمینی راستہ نہیں جہاں سے اسے امداد مل سکے۔ تاہم وہ ابھی تک زندہ ہیں اور حماس تحریک مزاحمت جاری رکھے ہوئے ہے۔ فلسطینی مسلمان مصیبتوں کی وادی میں اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں۔ روز قیامت دو ارب کے لگ بھگ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حضور کیا جواب دیں گے؟ الجزیرہ ٹی وی کی رپورٹ کے مطابق یہ تحریک مزاحمت مقامی فلسطینی اپنے طور پر جاری رکھے ہوئے ہیں جنھیں پڑوسی ممالک کی طرف سے قطعی طور پر کوئی امداد حاصل نہیں ہے۔ مسلمان حکمران فلسطینیوں کی عملی امداد کی بجائے صرف بیان بازی تک محدود رہتے ہیں جس میں ان کی اپنی مصلحتیں ہیں۔ جیسے پاکستان ایک ایٹمی قوت ہونے کے باوجود کشمیر کا محاصرہ دو سال بعد بھی ختم نہیں کروا سکا البتہ وہ کشمیر اور فلسطین کے مسائل کو یواین او کی قراردادوں کے مطابق

حل کرنے کے لیے بڑے تواتر کے ساتھ مسلسل بیان بازی کرتا رہا ہے۔ یہی حال سعودی عرب اور دیگر عرب ریاستوں کا ہے جو مصلحتوں کا شکار ہیں اور صرف بیان بازی کرتے نظر آتے ہیں۔

فلسطین میں قتل و غارت کی اس خوفناک صورت حال پر اقوامِ عالم منافقت کا کردار ادا کرتے ہوئے خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ امریکی یہودی سازشوں کے نتیجے میں برسوں سے جاری مسلم کشی کا سلسلہ نہ جانے کب ختم ہوگا۔ مشرقِ وسطیٰ کے عرب حکمران خلافت اسلامیہ ترکیہ سے غداری کر کے اور اسلامی دنیا کو تقسیم کروا کر امریکی و یورپی ناجائز بچے (اسرائیل) کے قیام کا راستہ صاف کر کے انعام کے طور پر ملنے والے اپنے حصے کے اقتدار پر قابض ہو کر عیاشیاں کر رہے ہیں۔ سعودی عرب اور دیگر چھوٹی ریاستوں کے حکمران اقتدار ملتے ہی مغربی استعمار کے ایجنٹ بن کر اسلامی دنیا کی بجائے بڑی طاقتوں کے مفادات کے نگہبان بن کر رہ گئے ہیں سعودی بادشاہ اور دبئی کے حکمران امریکی آشیر باد سے یہودی ریاست کے ساتھ سفارتی تعلقات استوار کر کے پیار و محبت کے رشتے قائم کر چکے ہیں۔ فلسطینیوں کا حالیہ قتل عام اسی عرب اسرائیل تعلقات کا شاخسانہ لگتا ہے۔ اقتدار کے رسیا سعودی و دیگر عرب بادشاہوں کا 40 ملکی اتحاد بھی مسلمان ممالک میں امن و سلامتی کی بجائے باہمی جنگ و جدل میں اضافے کا باعث نظر آ رہا ہے نتیجے میں پوری اُمت مسلمہ مغربی طاقتوں کے شکنجے میں پھنس چکی ہے۔ یہاں تک کہ مغربی پالیسیاں نہ اپنانے پر دین اسلام کے علمبردار راسخ العقیدہ مسلمانوں کو نشان عبرت بنایا جا رہا ہے۔ یہ حالت زار دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے ہر طرف خونِ مسلم ہی بہایا جا رہا ہے۔

مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ اسلام امن و امان کا درس دیتا ہے۔ شام میں بمباری کی گئی، یمن میں فرقہ وارانہ فسادات کروا کر ہزاروں مسلمانوں کو شہید کروایا گیا، عراق میں مسلمانوں کو برہنہ کر کے ان پر کتے چھوڑے گئے، مسلمان قوم کی بیٹی عافیہ صدیقی کو امریکی جیلوں میں طویل قید کی سزائیں دی گئیں، مسلمان بچوں کی لاشیں سمندروں کے ساحلوں پر پڑی ملیں، برما میں مسلمان بیٹیوں کے جسموں کو کاٹ کر ان کے سیخ کباب بنائے گئے، افغانستان میں مسلمانوں کو کنٹینروں میں بند کر کے زندہ جلایا گیا، کشمیر کی مائیں بہنیں محمد بن قاسم کو صدائیں لگاتی رہی۔ جواب ملا کہ تم پاگل ہو؟ اسلام تو صرف امن کا درس دیتا ہے۔ شام کی مسلمان بچیوں نے

دیواروں پر لکھ دیا کہ کیا دوبارہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہیں آنا؟ مگر جواب ملا کہ اسلام صرف امن کا درس دیتا ہے۔ کیوں بھول بیٹھے ہو؟ کہ تم تو اس رسول معظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہو وقت وصال جن کے گھر میں اناج کا ایک دانہ تک نہ تھا مگر حجرہ مبارکہ کی دیوار پر سات تلواریں لٹکی ہوئی تھیں۔ اسلام صرف امن کا درس ہی نہیں دیتا بلکہ عدل وانصاف اور امن کے قیام کے لئے عملی جہاد کا درس بھی دیتا ہے اگر جہاد نہیں ہے تو دیگر ارکان وفرائض کی ادائیگی ناقص ہے۔ اسلامی جہاد اللہ تعالیٰ کی سرزمین پر عدل وانصاف کو یقینی بنانے کے لئے ہے۔ اگر یہودی دجال کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے اپنے بچوں کو تیار کرسکتے ہیں تو تم کیوں راہِ حق میں جہاد کے لیے آمادہ نہیں ہوتے؟ تمہیں بھی اسلامی تحریکوں میں شامل ہو کر عملی جہاد کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ النساء میں فرماتے ہیں: آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے حالانکہ کمزور مرد، عورتوں اور بچوں فریاد کر رہے ہیں کہ پروردگار ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی سرپرست اور حامی و مددگار بنا۔

اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کے کل 15 ممبران ہیں جن میں 5 مستقل اور 10 غیر مستقل ہیں۔ مستقل ممبران کے پاس ویٹو کا اختیار ہوتا ہے یعنی اگر ان میں سے کوئی ایک کہہ دے کہ فلاں مسئلے پر یہاں ڈسکس نہیں ہوسکتا تو اس مسئلے کو سیکورٹی کونسل میں ڈسکس نہیں کیا جاسکتا۔ یواین او، ویٹو پاور ہولڈران پانچ بڑی طاقتوں کی کٹھ پتلی ہے جو مسلم ممالک کے مسائل دانستہ طور پر حل نہیں ہونے دیتے۔ اس نام نہاد یواین او ایسے ادارے کے پلیٹ فارم سے امت مسلمہ کو تباہی و بربادی کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ OIC کے 56 مسلم ممالک میں سے کوئی ایک بھی مستقل رکن نہیں۔ لہٰذا اب OIC کو فعال کر کے اپنے فیصلے خود کرنے کے لئے کوششیں کرنا ہوں گی اس لئے مسلم دنیا کو مزید وقت ضائع کئے بغیر فوری اقدامات کرنا ہوں گے۔ اگر دیر کر دی تو ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔

تقریباً ایک صدی سے امریکہ اور اس کی مغربی اتحادی اسلام دشمن طاقتیں ''تقسیم کرو، لڑاؤ، غلام بنا کر رکھو اور حکومت کرو'' کی پالیسی کے تحت سازشیں کر کے بالواسطہ طور پر اپنے

ایجنٹوں کے ذریعے مسلم دنیا پر حکمرانی کررہے ہیں۔ اسرائیل، بھارت اور برما میں نہتے روہنگیا مسلمان بچوں عورتوں پر قیامت ڈھانے والے دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد ملک ہیں مگر یواین او اور مغربی دنیا کے نزدیک یہ دہشت گرد نہیں ہیں، صرف دین اسلام کے پیروکار حماس اور کشمیر کے مٹھی بھر نہتے اور افغانستان و مشرق وسطیٰ میں امریکی مفادات کے خلاف اٹھنے والے حریت پسند ہی دہشت گرد نظر آتے ہیں۔ لاکھوں یہودیوں کا قاتل ہٹلر عیسائی تھا، لیکن میڈیا نے کبھی اس کو عیسائی دہشت گرد نہیں کہا۔ جوزف اسٹالن نے بیس ملین انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا جس میں سے ساڑھے چودہ ملین بھوک سے مرے۔ ماؤزے تنگ نے چودہ سے بیس ملین انسانوں کو ہلاک کیا۔ مسولینی چار لاکھ انسانوں کا قاتل ہے۔ اشوکا نے کلنگا کی جنگ میں ایک لاکھ انسانوں کو مارا۔ جارج بش کی تجارتی پابندیوں کے نتیجے میں صرف عراق میں پانچ لاکھ بچے مرے۔ انسانیت کے قاتل یہ سب غیر مسلم تھے اس لیے ان کو میڈیا کبھی دہشت گرد نہیں کہتا۔ چند اور حقائق مدنظر رکھیں پہلی جنگ عظیم میں 17 ملین لوگ مرے، دوسری جنگ عظیم میں 55-50 ملین لوگ مارے گئے، ناگاساکی پر ایٹمی حملے میں 2 لاکھ لوگ مرے، ویتنام کی جنگ میں پانچ لاکھ اموات، بوسنیا کی جنگ میں بھی پانچ لاکھ، عراقی جنگ میں ابتک ایک کروڑ بیس لاکھ اموات۔ کمبوڈیا میں تقریباً تین لاکھ افراد کے قاتل غیر مسلم۔ افغانستان، فلسطین اور برما میں خانہ جنگی میں ملوث غیر مسلم ہی تو ہیں جس میں لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ کوئی بھی مسلمان دہشت گرد نہیں ہوتا اور یہ اہم بات کہ بڑی تباہی پھیلانے والے کسی بھی ہتھیار کے موجد مسلمان نہیں ہیں اور آج مبینہ دہشت گردوں کے ہاتھوں میں جو ہتھیار ہیں وہ بھی کسی اسلامی فیکٹری میں نہیں بنے۔

دنیائے اسلام اس وقت سنگین مشکلات سے دوچار ہے اور اسلام کے نام لیواؤں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے جارہے ہیں۔ ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا جاچکا ہے۔ اکثر مسلم ممالک کی مفاد پرست اور بزدل قیادتیں استعماری ایجنٹ ہیں اور صرف اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کی فکر میں ہیں جبکہ اکثر مسلمان اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے عملی جدوجہد کرنے کی بجائے کسی معجزے کے انتظار میں ہیں۔ مسلم دنیا پر جمود کی کیفیت طاری ہے برسوں سے آج تک ہم کشمیریوں اور فلسطینیوں کے لئے لفظوں، تقریروں، قراردادوں، احتجاجوں، جوش و جذبے اور غم و غصے کے

اظہار کے سوا کیا کچھ نہیں کر سکے۔ جبکہ صورت حال بتدریج بد سے بدتر ہوتی چلی گئی ہے لیکن مجال ہے جو کبھی کسی رہنما نے ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنے کے بعد اس حماقت زدہ حکمت عملی پر اک معمولی سی نگاہ ڈالنے کی زحمت بھی گوارا فرمائی ہو کہ حکمت عملی تبدیل کریں۔ سمجھ نہیں آتی مزید کتنی نسلیں قربان کرنے کے بعد اس کے انجام کی یہ سادہ سی بات سمجھ آئے گی۔

رسول خدا ﷺ کا فرمان ہے جس کو مسلمان کا غم نہ ہو، وہ میری امت میں سے نہیں۔

آج عالم اسلام کو ایک دوسرے کا کتنا غم اور درد ہے؟ ہم کیا کر رہے ہیں؟ پوری مسلم قوم لمبی تان کر سو چکی ہے اور بے حسی کا شکار ہو چکی ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف اعلان جہاد کیا جائے۔ اٹھو، جاگو اور سوچو کہ غیرت مند مسلمان قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے اور اپنی قوم کے لیے اپنے حصے کا کام بھی کرنا ہے۔ اسلام دشمن اور ان کے ایجنٹ ہماری قومی سلامتی اور اسلامی شناخت ختم کرنے کے درپے ہیں ہمیں اپنے آپ کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو اغیار کی سازشوں سے بچانا ہے۔ اے مسلماں! ایسا نہ ہو کہ تیری بے حسی کا ماتم کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہے۔ اٹھ اپنے آپ کو پہچان، اپنے اسلاف کو یاد کر اور طاغوتی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہو جا۔ بے حسی کے شکنجے سے باہر نکل آ۔ حریت پسندوں اور اسلامی جہادی تحریکوں میں شامل ہو کر اللہ پر بھروسہ اور توکل کر اپنے دشمن کو پہچان اور اپنے حقیقی نصب العین کی طرف لوٹ آ۔ کیونکہ تم ہی کو اقوام عالم کی قیادت کا فریضہ سونپا گیا تھا۔ اقبالؒ نے کہا تھا:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

رسید تحائف

1 نام کتاب: **شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ**

تالیف: مولانا عرفان الحق حقانی

ناشر: الحافظ کتب خانہ، اکوڑہ خٹک۔ کے پی کے 03339102368

شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق رحمہ اللہ کی ذات تعارف کی محتاج نہیں ہے، وہ عالمِ دین بھی تھے، مجاہد بھی، سیاسی قائد بھی تھے اور ہر دلعزیز رہنما بھی۔ ملک وملت کے لیے بھی انھوں نے قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ یہ کتاب ان کی سوانح، افکار، اسفار، علمی، دینی، روحانی ادبی، فلاحی، سیاسی و رفاہی خدمات، مواعظ، ملفوظات، اکابرین کی توجہات وتحسینات، مکتوبات اور پسماندگان کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ (صفحات: 416، قیمت: درج نہیں)

2 نام کتاب: **ان سنتوں پر عمل کون کرے گا؟**

تالیف: امان اللہ اسماعیل 0321-8240519

ناشر: بن حورا ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ، D23-B سائٹ ایریا، کراچی

سب سے بہتر طرزِ زندگی وہی ہے جس کو اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے اپنایا ہے۔ ہم مسلمان اسی کی اتباع کر کے فلاحِ دارین حاصل کر سکتے ہیں۔ بقول مولف اگرچہ آپ ﷺ کی عملی سنتوں کا تذکرہ بزرگانِ دین نے سیرت النبیؐ کی ضخیم کتب میں کیا ہے تاہم وہ کتب عام قاری کی پہنچ سے دور ہیں اس لیے ان کتب سے عملی سنتوں کو اخذ کر کے اس مختصر کتاب میں جمع کر دیا ہے تا کہ ان مبارک سنتوں کا چرچا عام ہو اور مسلمانوں میں یہ سنتیں زندہ ہو جائیں۔ (صفحات: 128، قیمت درج نہیں)

3 نام کتاب: **خطباتِ عرفان** (صفحات: 465، قیمت درج نہیں)

افادات: مولانا عرفان الحق حقانی

ناشر: مؤتمر المصنّفین، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

اس کتاب میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے استاد مولانا عرفان الحق صاحب کے تیس خطابات کو آٹھ ابواب میں جمع کیا گیا ہے۔ ابواب کے عنوانات یہ ہیں: حیاتِ طیبہ۔ فضائل و مناقب خلفائے اربعہؓ۔ عبادت و عبدّیت۔ فضیلتِ علم و اہل علم۔ احیائے اسلام اور ہماری ذمہ داریاں۔ عورت پر اسلام کے احسانات۔ ایمانی غیرت اور اس کے تقاضے۔ تزکیہ نفس۔

4 نام کتاب: **داستانِ رفتگاں**

تالیف: مولانا عرفان الحق حقانی

ناشر: مؤتمر المصنّفین، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک کے پی کے

اس کتاب میں مصنف نے ستمبر 1988ء سے اگست 2019ء تک وفات پانے والی تقریباً 130 معروف شخصیات کا تذکرہ کیا ہے۔ رفتگانِ آخرت کا یہ تذکرہ پہلے سلسلہ وار ماہنامہ الحق میں شائع ہوتا رہا، اب اس کا مجموعہ کتابی شکل میں بھی دستیاب ہے۔ (صفحات: 704، قیمت درج نہیں)

5 نام کتاب: **اقبال نامہ** (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۲۰ء)

مدیر: ہارون اکرم گل

ناشر: اقبال اکادمی پاکستان، چھٹی منزل، ایوانِ اقبال، لاہور

یہ اقبال اکادمی پاکستان کا سہ ماہی خبر نامہ ہے جو اقبال نامہ سے موسوم ہے۔ عموماً یہ خبر نامہ اقبال اکادمی کے زیرِ اہتمام گزشتہ تین ماہ میں ہونے والے پروگرامز، سیمینارز، تقریبات، لیکچرز اور دیگر سرگرمیوں کی خبروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ حالیہ شمارہ کے چند مشمولات درج ذیل ہیں: ☆ فرزند اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال کی پانچویں برسی پر منعقدہ تقریب ☆ کل پاکستان مقابلہ مضمون نویسی کے نتائج ☆ ایران میں اقبال شناسی۔ چند زاویے ☆ ہفتہ عشق رسول ﷺ کے سلسلہ میں خصوصی سیمینار ☆ یومِ اقبال پر تقریبات ☆ اقبال فیسٹیول ☆ آن لائن لیکچرز ☆ صوبائی اقبال یوتھ کنونشن۔ وغیرہ۔

فرمودۂ اقبال

آزادیٔ نسواں

اس بحث کا کچھ فیصلہ مَیں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند

کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند

اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں، معذور ہیں، مردانِ خرد مند

کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادیٔ نسواں کہ زمرّد کا گلوبند؟

(کلیاتِ اقبال (اردو) ص557)

مغربی تہذیب کی دلدادہ عورت کا لباس عریانی وفحاشی کے ذریعے درندگی کی ترغیب دیتا ہے

پاکستان کا قیام بانیانِ پاکستان کی لازوال کوششوں اور مسلمانوں کے لیے ایک نظریاتی مملکت ہونے کا مظہر تھا۔ دوقومی نظریہ (TWO NATION THEORY) کا نعرہ تحریکِ پاکستان کے دوران ایک زندہ حقیقت تھی اور آج بھی ہے۔

ہمارے وزیراعظم عمران خان کا ریاستِ مدینہ کا خواب اور عالمی مغربی صیہونی استعمار کی معاشرتی وسماجی اقدار آپس میں متصادم ہیں۔ وزیراعظم پہلے بھی اس موضوع پر اظہارِ خیال کر چکے ہیں اور اُن کا حالیہ بیان بھی مغربی تہذیب کے نمائندوں کو چبھتا محسوس ہو رہا ہے۔ ہم وزیراعظم کے حالیہ بیان کی مکمل تائید کرتے ہیں اور استدعا کرتے ہیں کہ اپنے انتظامی اختیارات استعمال کرتے ہوئے پاکستان میں عورت کا لباس کسی اصول اور ضابطے کا پابند کر دیں تاکہ عریانی وفحاشی کے سیلاب کو روکا جاسکے اور پاکستان میں جنسی درندگی کے واقعات کو کم کیا جاسکے۔ نظامِ تعلیم میں CO-EDUCATION اور محکمہ صحت میں مردوں کے وارڈ میں FEMALE NURSES پر پابندی لگائی جائے۔ پرائمری ایجوکیشن پوری کی پوری خواتین کے حوالے کر دی جائے اور خواتین اساتذہ کی تعیناتی ان کے گھروں کے قریب کی جائے تاکہ وہ پبلک ٹرانسپورٹ کی ناگفتہ بہ صورت حال سے بچ سکیں۔ عورت کے محرم کے بغیر سفر اور حج وعمرہ کے اسفار پر بھی پابندی برقرار رکھی جائے تاکہ ہماری تہذیب مزید بکھرنے سے محفوظ رہ سکے۔

(ادارہ)

فرمانِ نبوی

علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

عشرۂ ذوالحجہ کے روزوں کی فضیلت

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:

مَا مِنْ اَیَّامٍ اَحَبُّ اِلَی اللهِ اَنْ یُّتَعَبَّدَ لَهٗ فِیهَا مِنْ عَشْرِ ذِی الْحِجَّةِ، یَعْدِلُ صِیَامُ كُلِّ یَوْمٍ مِنْهَا بِصِیَامِ سَنَةٍ، وَ قِیَامُ كُلِّ لَیْلَةٍ مِنْهَا بِقِیَامِ لَیْلَةِ الْقَدْرِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں ہیں ایسے کوئی دن جن میں اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادت کیا جانا ذوالحجہ کے (پہلے) دس دنوں سے زیادہ محبوب ہو۔ان میں سے (دس ذوالحجہ کے علاوہ) ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہوتا ہے اور ان میں سے ہر رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہوتا ہے۔“

رواہ الترمذی